سلسلۂ مطبوعاتِ انجمنِ ترقیٔ اُردو (ہند) نمبر ۷۵

مرحوم دہلی کالج

نوشتہ

ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب

معتمدِ اعزازی انجمنِ ترقیٔ اُردو (ہند)

شائع کردہ

انجمنِ ترقیٔ اُردو (ہند) دہلی

دوسرا ایڈیشن   ۱۹۴۵ء   قیمت مجلد عہ۸ر بلا جلد عہ

فہرستِ مضامین

دہلی کالج کے پرنسپل مسٹر بتروس کا خط گارساں دتاسی کے نام

دہلی - ۱۹ دسمبر ۱۸۴۱ء

دہلی کالج میں تعلیم کے دو شعبے ہیں - پہلے میں انگریزی اور ہندوستانی زبانوں کے علاوہ جدید یورپ کے علوم (sciences) پڑھائے جاتے ہیں - اور دوسرے میں قدیم مشرقی زبانیں یعنی عربی، فارسی، سنسکرت پڑھائی جاتی ہیں۔ کالج میں بیس پروفیسر ملازم ہیں - دہلی کالج کی زیر نگرانی دو دوم درجے کے کالج بھی ہیں - ایک میرٹھ میں - دوسرا بریلی میں - -

ہندستانی زبان نے دو تین سال سے ایسی اہمیت حاصل کرلی ہے جو اس سے پہلے نہ تھی - یہ بہار اور مغربی صوبوں کی یعنی راج محل سے لے کر ہردوار تک کی سرکاری زبان بن گئی ہے ہردوار ہمالیہ کے دامن میں ایک قصبہ ہے مزید براں یہ زبان سارے ہندستان میں سمجھی جاتی ہے - اور کم سے کم چار کروڑ اشخاص اسے روزمرہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں - اب انگریزی حکومت نے اسے عدالتوں اور سرکاری اخباروں میں جاری کر دیا ہے - - -

تقریباً چھ مہینے سے میں نے کوئی بیس مترجم کالج میں ملازم رکھے ہیں - یہ عربی، فارسی اور سنسکرت کی مشہور کتابوں کے علاوہ انگریزی کی بعض کتابیں متعلق بہ علوم طبیعیات، معاشیات، تاریخ، فلسفہ، قانون اور برطانوی ہند میں رائج الوقت قانون کی کتابیں اُردو میں ترجمہ کرتے ہیں -

رامائن اور مہابھارت کا ترجمہ یقیناً خالی از دلچسپی نہ ہوگا - فی الحال میں نے ان دو نظموں کے ایک خلاصے سے ترجمہ کا کام شروع کر دیا ہے - بعد میں اصل کے مکمل ترجمے کی طرف توجہ کروں گا (ژونال آسیاتک - فروری ۱۸۴۲ء)

دستخط بوتروس

(یہ خط ہمیں سید ریاض الحسن صاحب کی عنایت سے ملا جو آج کل دہلی میں مقیم ہیں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

مرحوم دہلی کالج

مرحوم میں اس لیے کہتا ہوں کہ وہ ایک عزیز چیز تھی جسے زمانے کے اتفاقات اور حالات نے عین ایسے وقت میں زندہ دفن کردیا جب کہ اس کے عروج کا وقت آیا تھا اور جب کہ وہ گزشتہ تجربوں سے سبق حاصل کرکے ملک کے لیے تبلیغِ علوم وفنون کا بہت بڑا مرکز بن سکتا تھا۔ اس کے ثبوت میں صرف ان ناموں کا گنا دینا کافی ہے جنھوں نے محض اس کالج کے فیض سے ملک میں علم کی روشنی پھیلائی اور علم کی ایسی خدمت کی جو مدتوں یادگار رہے گی۔ اس نے تعلیم کا وہ صحیح طریقہ اختیار کیا تھا جس سے بہتر کوئی اور ہمارے ملک کے حق میں ہو نہیں سکتا ہا اگرچہ اس کے مٹتے ہی یہ طریقہ بھی مٹ گیا لیکن اتنی مدت کے تجربے کے بعد ہماری یونی ورسٹیاں رفتہ رفتہ پھر اسی طرف عود کر رہی ہیں اور آخر دہی ڈھنگ اختیار کرنا پڑے گا۔ ایسی حالت میں اسے مرحوم تو کیا شہید بھی کہیں تو بجا ہے۔ کیوں کہ وہ بلا وجہ اور بغیر کسی الزام کے ملکی اور سیاسی مصلحتوں کے بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ دلی کو سیاسی انقلاب نے

جہاں اور داغ دیے ان میں سے ایک یہ بھی تھا۔ افسوس اب لوگ اس کا نام بھی بھولتے جاتے ہیں۔ اب میں اس عزیز کی کہانی جہاں تک مجھے پرانے کاغذات اور کتابوں میں ملی یا اس کے سوگواروں کی زبانی معلوم ہوئی ہے، آپ کو سناتا ہوں اور اس کے کارناموں کی یاد دلاتا ہوں۔

تحقیق سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اس تعلیم گاہ یعنی مدرسۂ غازی الدین کی ابتدا سنہ ۱۷۹۲ء میں ہوئی[1]۔ مسٹر ٹامسن وزیٹر[2] اورینٹل کالجز ممالکِ مغربی شمالی اپنی تعلیمی رپورٹ بابت سنہ ۱۸۴۱-۴۲ء میں لکھتے ہیں کہ اورینٹل کالج دہلی کو عالمِ وجود میں آئے سولہ سال ہوتے ہیں۔ اس حساب سے دہلی کالج کی ابتدا کا سنہ ۱۸۲۵ء ہوتا ہے۔ گورنمنٹ آف انڈیا کی تعلیمی اور دفتری تحریروں میں بھی مدرسے کے ابتدائے قیام کا سنہ ۱۷۹۲ء ہی لکھا ہے۔ اور سنہ ۱۸۳۸-۳۹ء کی تعلیمی رپوٹ میں اس سال کو دہلی کالج کا سینتالیسواں سال بتایا ہے۔ اس سے بھی مسٹر ٹامسن کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ یعنی مدرسے کی ابتدا سنہ ۱۷۹۲ء میں ہوئی اور سنہ ۱۸۲۵ء میں یہ مدرسہ دہلی کالج میں تبدیل ہوگیا۔ بہرحال اس میں شک نہیں کہ مدرسۂ غازی الدین کا آغاز سنہ ۱۷۹۲ء میں ہوا اور اس کی بسم اللہ دہلی کی اس خوب صورت اور تاریخی عمارت میں ہوئی جو غازی الدین خاں کے مدرسے کے نام سے مشہور ہے اور نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ ثانی خلف نواب نظام الملک آصف جاہ کا بنایا ہوا ہے۔ مخیر بانی کی نیک نیتی کا پھل ہے کہ اب تک وہاں تعلیم کا فیضان جاری ہے اور اینگلو عربک اسکول جو اب کالج ہوگیا ہے، سال ہا سال سے اس کے درس و تدریس کا سلسلہ وہیں قائم ہے۔ یہ نہیں کھلتا کہ اس وقت

---

[1] دی بنگال اینڈ آگرہ اینول گائیڈ اینڈ گزیٹیر سنہ ۱۸۴۱ء۔
[2] وزیٹر اس زمانے میں ایسا ہی تھا جیسے آج کل انسپکٹر۔

مدرسے کی کیا حالت تھی، تعلیم کیسی ہوتی تھی، تعلیم دینے والے کون تھے، دلّی میں مقبول تھا یا نہیں۔ غرض اس کے سی سالہ حالات پر بالکل پردہ پڑا ہوا ہے۔ قیاس غالب یہ ہے کہ یہاں بھی مثل دوسرے مدارس کے عربی فارسی کی مروّجہ تعلیم ہوتی ہوگی اور وہی رنگ ہوگا جو اُس وقت دوسرے مدرسوں کا تھا۔ کیوں کہ ۱۸۲۵ء سے قبل اُن مدارس میں بھی جو سرکاری کہلاتے تھے، مشرقی السنہ و علوم ہی کی تعلیم دی جاتی تھی اور اُن میں وہی پُرانا طریقۂ تعلیم، وہی حالات اور وہی رنگ تھا۔ اس کی تصدیق بعض سرکاری تحریروں سے بھی ہوتی ہے۔ خصوصاً ناظمِ تعلیمات احاطۂ بنگال کے تعلیمی تبصرے سے جس کا خلاصہ ذیل میں دیا جاتا ہے۔ البتہ مسٹر ایچ ٹیلر کی رپوٹ سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۲۳ء میں مدرسۂ غازی الدین میں صرف نو طالبِ علم تھے اور مولوی عبداللہ ان کو تعلیم دیتے تھے۔

۱۸۲۳ء کے اواخر میں مجلسِ تعلیمِ عامّہ (General Committee Public Instruction) نے ایک مطبوعہ گشتی چٹھی دہلی، آگرہ اور دوسرے مقامات کی مقامی مجلسوں کے نام جاری کی جس میں ان اضلاع کے تعلیمی حالات دریافت کیے گئے تھے۔ نیز یہ بھی دریافت کیا گیا تھا کہ ان مقامات میں توسیع و ترقیٔ تعلیم کے لیے کیا کیا وسائل اور ذرائع اختیار کیے جا سکتے ہیں۔ اُن کے استفسارات یہ تھے کہ ان اضلاع کے قصبات اور دیہات میں کون کون سے مکتب، یا تعلیم گاہیں ہیں۔ اُن میں کس قسم کی تعلیم دی جاتی ہے اور کون کون سی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ اُن میں سے کون کون سے مدارس سرکاری امداد و اعانت کے مستحق معلوم ہوتے ہیں اور اس امداد کی کون سی صورت زیادہ مناسب اور بہتر ہوگی۔ ان سب امور کے بیان

کرنے کے بعد یہ اطلاع بھی دی گئی کہ گورنمنٹ کا منشا دلی میں کالج قائم کرنے کا ہے۔ نیز کمیٹی نے یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ اگر ان مقامات میں ایسے اوقاف موجود ہوں جو تعلیمی اغراض کے لیے کام آسکیں تو ان سے بھی مطلع کیا جائے۔

دہلی کی مقامی مجلس نے جنوری ۱۸۲۴ء میں اپنا جواب بھیجا جس میں اس نے مختلف امور سے بحث کی ہے اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہاں بہت سے خانگی مدارس موجود ہیں اور جیسا کہ مسلمانوں میں دستور ہے یہ کار خیر سمجھ کر قائم کیے گئے تھے۔ ان مدارس میں عربی فارسی کی تعلیم ہوتی ہے۔ طالب علموں کا بہت سا وقت قرآن پڑھنے اور حفظ کرنے اور فقہ کی تعلیم میں صرف ہوتا ہے۔ آبادی کے مقابلے میں طالب علموں کی تعداد بہت ہی کم ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ کچھ نہیں۔ حاضری بے قاعدہ ہے اور جو تعلیم کہ ان مدرسوں میں دی جاتی ہے اس سے بہت ہی کم فائدہ پہنچتا ہے۔

اس جواب میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ کچھ دنوں پہلے یہاں متعدد درس گاہیں حکومت وقت کی طرف سے قائم تھیں لیکن اب وہ نہایت خراب و خستہ حالت میں ہیں۔ ان کے مصارف کے لیے جو انتظام تھا وہ سیاسی انقلاب کی وجہ سے درہم برہم ہوگیا ہے اور اب ان رقوم کا پھر حاصل کرنا امکان سے باہر ہے۔

دہلی میں سرکاری درس گاہ کے قیام کے متعلق مقامی مجلس نے لکھا کہ اس کی امداد کے لیے ساڑھے تین ہزار روپے سالانہ کی گنجایش نکل سکتی ہے اور کچھ دنوں بعد اس میں اضافہ بھی ممکن ہے۔

اس مجلس نے یہ بھی لکھا کہ دہلی جیسے آباد شہر میں ایسے اشخاص کی خاصی بڑی تعداد موجود ہے جو کسی زمانے میں بہت مرفہ الحال تھے لیکن

سیاسی تغیرات کی وجہ سے اب نانِ شبینہ کو محتاج ہیں مگر اس پر بھی وہ کسی ادنیٰ پیشے کو اختیار کرنا باعث ننگ و عار سمجھتے ہیں۔ اس لیے اگر مجوزہ کالج قائم ہو گیا تو اس قبیل کے بعض لوگ ضرور اس کی طرف مائل ہوں گے۔ تاکہ تعلیم پاکر عزت سے بسر کر سکیں۔

مجلس نے یہ بھی تجویز کیا کہ یہ کالج بلا تاخیر فوراً قائم کر دیا جائے اور تعلیم کے لیے مولویوں کا تقرر کیا جائے۔ اور چونکہ یورپی علوم کی تعلیم اس کا خاص مقصد ہوگا لہذا بعض اعلیٰ درجے کی کتابیں جو مشرقی زبانوں سے ترجمہ کی گئی ہیں، اس کالج کے لیے مہیا کی جائیں۔ مجلس نے اس امر کا بھی اظہار کیا کہ اس نئے طریقے کے جاری کرنے میں اس کا بھی لحاظ رکھا جائے کہ طالب علموں کے لیے اس میں ایسی کشش ہو کہ وہ خوشی خوشی اس تعلیم کو حاصل کریں اور وہ کشش ملازمت کی توقع ہو سکتی ہے۔

مجلس نے اپنے جواب کو بہت ہی پُرجوش الفاظ پر ختم کیا ہے جن سے دلّی کی محبت ٹپکتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"جب آپ کی کمیٹی کے ارکان اس ملک کے گزشتہ عہد کے عروج اور شان و شوکت کو یاد کریں گے جب کہ دلّی اس عظیم الشان اور وسیع سلطنت کا شاندار دارالخلافہ تھی جو علوم و فنون کی سرپرستی اور ہنر پروری کے لیے چار دانگِ عالم میں مشہور تھی اور اس کے زرخیز و خوش حال خطوں کے فرزند علم کے شوق میں اس مشرقی علوم کے گہوارے میں جوق جوق آتے تھے اور جہاں ایسے ایسے شاعر اور حکیم پیدا ہوئے ہیں جن کے نام اب تک تاریخ کے صفحات پر یادگار ہیں۔ اور پھر جب آپ کے ارکان اُن بے شمار

تعلیم گاہوں کے کھنڈروں کا خیال کریں گے جو ان شاہانہ فیاضیوں کے کے آثار ہیں جو علم کی اشاعت و ترقی کے لیے وقف تھیں اور اب خراب وخستہ اور شکستہ حال ہیں۔ اور جب وہ گزشتہ عہد کی اُن مقدس علمی یادگاروں کو دیکھیں گے جن پر اب ویرانی و بیکسی برستی ہے اور کوئی ان کا پرسانِ حال نہیں تو ہمیں یقین ہے کہ آپ کے ارکان کے دلوں میں دلی کی ہمدردی کا جوش پیدا ہوگا اور آپ، جن کے ہاتھوں میں رعایا کی دماغی ترقی و اصلاح کا کام تفویض کیا گیا ہے، ضرور دلی کے لیے اس عطیے کا ایک حصہ مخصوص کر دیں گے جو گورنمنٹ نے اس غرض کے لیے منظور کیا ہے۔"

جس عطیے کی طرف اوپر کی تحریر میں اشارہ کیا گیا ہے یہ وہ رقم تھی جو جنرل کمیٹی کی تفتیشِ حالاتِ تعلیم کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظما کی سفارش پر پارلیمنٹ نے ہندستان کی تعلیم کے لیے ۱۸۲۳ء میں منظور کی تھی۔ اس کی کل مقدار ایک لاکھ روپے تھی۔

غرض اس مجوزہ کالج کا افتتاح ۱۸۲۵ء میں ہوا اور اُس "شاہانہ عطیے" میں سے اس کالج کے لیے پانسو روپے ماہانہ مقرر کیے گئے۔ مسٹر جے۔ ایچ ٹیلر مقامی مجلس کے سکرٹری ایک سو پچھتر روپے ماہانہ پر اس کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ ہیڈ مولوی کی تنخواہ ایک سو بیس روپے قرار پائی اور دو اور مولوی پچاس پچاس کے رکھے گئے، باقی پچیس پچیس اور تیس تیس کے تھے، طلبا کے لیے بھی وظائف مقرر ہوئے۔ سالانہ رپوٹیں باقاعدہ مجلسِ تعلیمِ عامہ کی خدمت میں بھیجی جاتی تھیں جن میں مولویوں کے عزل و نصب، سالانہ امتحانات کے نتائج اور دوسرے امور متعلقِ کالج درج ہوتے تھے۔

انگریزی زبان کی تعلیم کی ابتدا

۱۸۲۸ء میں جب سر چارلس مٹکاف برٹش ریذیڈنٹ کمشنر کی سفارش پر کالج میں ایک انگریزی جماعت کا اضافہ ہوا تو لوکل فنڈ کی تعلیمی بچت سے دو سو پچاس روپے[1] اور کالج کے لیے منظور کیے گئے۔

اس بدعت سے لوگوں میں بڑی بے چینی پھیلی اور ہندو مسلمان دونوں نے اس کی مخالفت کی۔ دین دار بزرگوں کا یہ خیال تھا کہ یہ ہمارے نوجوانوں کے مذہب بگاڑنے اور اندر ہی اندر عیسائی مذہب کے پھیلانے کی ترکیب ہو۔ یہی شکل بنگال میں بھی پیش آئی تھی۔ لیکن وہاں راجا موہن رائے جیسا روشن خیال اور زبردست رہنما موجود تھا، وہاں یہ آندھی اٹھی تو سہی مگر چند ہی روز میں بیٹھ گئی۔ وہاں مخالفت برہمنوں سے شروع ہوئی تھی تو یہاں مسلمان پیش پیش تھے۔ یہ بدگمانی کچھ زیادہ بے جا بھی نہ تھی۔ بات یہ ہو کہ ابتدا میں جب لڑکے انگریزی مدرسوں میں داخل ہوئے اور انھوں نے وہاں نئی نئی چیزیں دیکھیں اور پڑھیں تو وہ اس قسم کی واہی تباہی باتیں کرنے لگے جس سے پرانے خیال کے لوگوں کو خواہ مخواہ بدگمانی کا موقع ملا۔ یہ بھی ایک وجہ ہو (جیسا کہ آگے چل کے معلوم ہوگا) کہ مسلمان طلبا کی تعداد

---

[1] مسٹر ٹامس فشر (Searcher of RecordS) نے جو یادداشت ۱۸۲۷ء میں ایسٹ انڈیا ہاؤس میں مرتب کی تھی اس میں تحریر ہو کہ دہلی کالج کے لیے چھ سو روپے ماہانہ تعلیمی فنڈ سے اور دو سو پچاس روپے ماہانہ دہلی کے فنڈ سے منظور کیے گئے اور دہلی کے مدرسے کے لیے سات سو روپے ماہانہ اور اس کے علاوہ ڈیڑھ سو روپے ماہانہ مسٹر ٹیلر کا الاؤنس منظور کیا گیا جو اس کے مہتمم مقرر ہوئے۔

انگریزی شعبے میں اکثر کم رہی۔ مولانا حالی نے ایک موقعہ پر اس کا اشارہ کیا ہے، جس سے اس وقت کے خیالات کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"اگرچہ اس وقت قدیم دہلی کالج خوب رونق پر تھا مگر جس سوسائٹی میں میں نے نشو و نما پائی تھی وہاں علم صرف عربی اور فارسی زبان پر سمجھا جاتا تھا۔ انگریزی تعلیم کا خاص کر قصبۂ پانی پت میں اوّل تو کہیں ذکر ہی سننے میں نہیں آتا تھا اور اس کی نسبت لوگوں کا کچھ خیال تھا تو صرف اس قدر کہ سرکاری نوکری کا ایک ذریعہ ہے نہ یہ کہ اس سے کوئی علم حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ برخلاف اس کے انگریزی مدرسوں کو ہمارے علما مجہلے کہتے تھے۔ دلی پہنچ کر جس مدرسے میں مجھ کو شب و روز رہنا پڑا وہاں سب مدرس اور طلبا کالج کے تعلیم یافتہ لوگوں کو محض جاہل سمجھتے تھے۔ غرض کبھی بھول کر بھی انگریزی تعلیم کا خیال دل میں نہ گزرتا تھا۔ ڈیڑھ برس دہلی میں رہنا ہوا اس عرصے میں کبھی کالج کو جاکر آنکھ سے نہ دیکھا اور نہ ان لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا جو اس کالج میں تعلیم پاتے تھے[1]" مگر رفتہ رفتہ یہ تعصب کم ہوتا گیا۔ زمانہ ایسی چیزوں کی اصلاح خود کر دیتا ہے۔ اگرچہ بعد میں بعض واقعات ایسے پیش آئے کہ لوگوں کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ ان کی بدگمانی بے جا نہ تھی۔

نواب اعتماد الدولہ کا وقف

سنہ ۱۸۲۹ء میں رپورٹ[2] غیر معمولی طور پر دل چسپ ہے۔ ایک بات تو قابل

---

[1] مقالاتِ حالی حصۂ اوّل صفحہ ۲۶۴

[2] تبصرۂ تعلیم عامۂ احاطۂ بنگال نوشتہ سٹرجے۔ کر بابت ۱۸۳۵ء تا ۱۸۵۱ء (حصۂ دوم۔ باب ۱۹)

ذکر یہ ہے کہ ایک اعزازی جماعت ایسی بنائی گئی جس نے طلبا میں خاص جوش اور شوق پیدا کر دیا۔ دوسری چیز کتب خانے کی توسیع ہے اور ان کے علاوہ سب سے بڑھ کر قابلِ ذکر اور لائقِ ستائش بادشاہ اودھ کے وزیر کا فیاضانہ عطیہ اور وقف ہے جس کا مختصر واقعہ یہ ہے:

نواب اعتماد الدولہ سید فضل علی خاں بہادر وزیر بادشاہِ اودھ نے دہلی کے رزیڈنٹ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ ایک لاکھ ستر ہزار کی رقم اس غرض سے گورمنٹ کے حوالے کرنا چاہتے ہیں کہ اس کی آمدنی سے دہلی میں مسلمان نوجوانوں کی تعلیم کے واسطے ایک درس گاہ قائم کی جائے اس کی صورت وقف کی ہوگی اور یہ رقم گورمنٹ کے پانچ فی صدی والے قرضے میں لگائی جائے۔

گورمنٹ نے اس فیاضانہ عطیہ کو نہایت شکریے کے ساتھ قبول کیا مگر جنرل کمیٹی تعلیم عامہ کے مشورے کے بعد نواب صاحب کو جو مشورہ دیا گیا وہ رزیڈنٹ دہلی کی حسبِ ذیل تحریر میں مندرج ہے:۔

"اس خیال سے کہ پانسو روپیہ ماہوار مقصدِ پیشِ نظر کی تکمیل کے واسطے کافی نہیں ہیں، لاٹ صاحب دوستانہ مشورہ دیتے ہیں کہ مذکورہ بالا مقصد کے لیے جو رقم آپ خرچ کرنا چاہتے ہیں اگر اسے اس رقم میں شامل کر لیا جائے جو گورمنٹ نے شہر دہلی میں اپنے کالج کے واسطے مقرر کی ہے اور یہ دونوں رقمیں مل کر موجودہ کالج پر خرچ ہوں تو دونوں کو متوقع نفع حاصل ہوگا۔ اگر آپ اس تجویز کو منظور فرمالیں گے نواب گورمنٹ کالج کے معاملات کے مہتمم یا افسر سمجھے جائیں گے اور پروفیسروں اور طلبا کا تقرر آپ کے نام سے ہوگا۔"

نواب صاحب نے اسے منظور فرمایا اور ۱۸۳۰ء میں جو وصیت نامہ نواب صاحب نے اس کے متعلق تحریر فرمایا اس میں یہ الفاظ درج ہیں:۔

"......... میں ایک لاکھ ستر ہزار کی رقم نیک نیتی سے اس کالج کی امداد کے واسطے برٹش گورنمنٹ کی تحویل میں چھوڑتا ہوں جو نواب غازی الدین خاں مرحوم نے میرے وطن دہلی میں عربی و فارسی علوم کی ترقی و تعلیم کے واسطے قائم کیا تھا جو میرے مذہبی علوم ہیں اور اخلاق کے سرچشمے ہیں اور میں وصیت کرتا ہوں کہ رقم موقوفہ کا منافع ان علوم کے طلبا اور اساتذہ پر خرچ کیا جائے۔"

اس وصیت نامے میں انھوں نے اپنے داماد سید حامد علی خاں کو ان شرائط کا نگراں بنایا تھا کہ اگر گورنمنٹ کی طرف سے بہ وجہ کثرتِ مشاغل یا دیگر غیر متوقع اسباب کی وجہ سے تساہل واقع ہو تو وہ گورنمنٹ کو اس طرف توجہ دلائیں اور بصورتِ ناکامی گورنمنٹ سے ایک جداگانہ کالج قائم کرنے کی درخواست کریں۔[1]

۱۸۳۰ء میں نواب صاحب کا انتقال ہو گیا۔ مگر افسوس کہ حسبِ وعدہ نہ پروفیسروں اور طلبا کا تقرر ان کے نام سے ہوا نہ وظائف ان کے نام سے دیے گئے نہ کسی قسم کی کوئی یادگار کالج میں اُن کی قائم کی گئی۔ البتہ اتنا ضرور ہوا کہ اس رقم سے کالج کی آمدنی میں اضافہ ہو گیا۔ نواب حامد علی خاں نے اس رقم کے بے جا صرف ہونے کی طرف بارہا توجہ دلائی اور اہلِ دہلی نے اس رقم سے علیحدہ کالج بنانے کی بھی درخواست کی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا

---

[1] کانفرنس گزٹ علی گڑھ۔ ۱۵ر نومبر ۱۹۲۰ء ترجمہ مضمون مسٹر سیال ؟ .

سوائے اس کے کہ نواب حامد علی خاں بھی کالج کمیٹی کے ممبر بنا دیے گئے۔ یہ تمام اب اینگلو عربک کالج اور اس کے مدارس پر منتقل ہو گئی ہے۔

کالج کی ترقی کا سال

اس سال کی رپوٹ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سال کالج کے بڑے عروج کا زمانہ تھا۔ امتحان کی کامیابی پر عام طور سے بڑی تعریف و تحسین ہوئی۔ سکرٹری صاحب اپنی رپوٹ میں لکھتے ہیں کہ جس قدر انعام ہم نے رکھے تھے اس سے زیادہ دینے پڑے اس لیے کہ طلبا کی استعداد ایسی عمدہ اور ان کے جوابات ایسے کامل تھے کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دینی مشکل تھی۔ بہت سے دیسی شرفا جو امتحان کے وقت موجود تھے، اپنے شہر کے ہونہار بچوں کی لیاقت دیکھ کر خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔

انگریزی جماعت کی علیحدگی

غالباً اسی زمانے میں لوگوں کی مخالفت اور شور و غوغا کی وجہ سے انگریزی جماعت مشرقی مدرسے سے علیحدہ کر دی گئی۔ لیکن یہ علیحدگی برائے نام تھی، پرنسپل دونوں کے ایک ہی تھے اور نگران کمیٹی بھی ایک ہی تھی۔

اگرچہ ابتدا میں انگریزی جماعت کے قیام کی بہت کچھ مخالفت ہوئی مگر تین ہی سال میں (یعنی ۱۸۳۱ء میں) انگریزی پڑھنے والوں کی تعداد تین سو[1] تک پہنچ گئی۔ یہ زمانے کی ہوا تھی۔

اس زمانے کی دلّی

یہ وہ زمانہ تھا کہ انگریز ملک کے اندرونی نظم و نسق

---

[1] ذکاء اللہ آف دہلی مصنفہ سی۔ ایف اینڈریوز۔ غالباً یہ تعداد پورے کالج کی تھی جس میں شعبۂ مشرقی اور انگریزی کے کل طلبا شریک تھے جس کی تصدیق آیندہ اوراق سے ہوگی۔

سے تہنیت ہوگئے تھے۔ بنگالہ مدت ہوئی ان کے قبضے میں آچکا تھا۔ جنوب میں
مرہٹوں اور خاص کر ٹیپو سلطان کا کھٹکا تھا سو وہ کانٹا بھی نکل گیا تھا۔ ملک میں
امن و امان تھا اور یہ امن خاص کر دلّی شہر میں جو ایک مدت سے ارضی و سماوی
آفات کا آماج گاہ بنا ہوا تھا، اور بھی اجاگر نظر آتا تھا۔ چیزیں سستی تھیں روپے
کی کمی نہ تھی، حرفت و صنعت فروغ پر تھی، لوگ خوش حال اور زندہ دل تھے۔
شہر فصیل کے اندر کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، ہر طرف چہل پہل نظر آتی تھی، خاص
کر چاندنی چوک میں جس کے بیچوں بیچ نہر بہتی تھی وہ رونق تھی کہ نظر لگتی تھی۔
ہندو مسلمان بھائی بھائی کی طرح ایسی صلح و آشتی سے رہتے تھے کہ آج کل اس
کا یقین کرنا مشکل ہے۔ ایک دوسرے کی غمی شادی اور تیوہاروں میں بے تکلف
شریک ہوتے اور کسی قسم کی غیریت نہیں برتتے تھے، بادشاہ اگرچہ نام کے
بادشاہ تھے لیکن کیا ہندو کیا مسلمان سب ان سے محبت کرتے اور ان پر
جان فدا کرتے تھے۔ بادشاہ کا برتاؤ بھی دونوں سے یکساں تھا۔ چنانچہ مسٹر ٹیلر
پرنسپل دہلی کالج اپنی ایک رپوٹ میں لکھتے ہیں کہ قلعۂ معلی میں عجیب ماجرا
تھا کہ وہاں مسلمانوں کے ساتھ اگرچہ قدرتاً ہمدردی تھی لیکن اس کے باوجود
جتنے ملازمین شاہی تھے (ایسی خدمات پر جہاں فارسی اُردو کی ضرورت رات
دن پڑتی تھی) سب کے سب ہندو تھے۔ اگرچہ تعلیم آج کل کی طرح عام
نہ تھی لیکن تہذیب اور ذوق جو تعلیم کی غایت ہے وہ عام طور پر پایا جاتا تھا،
یہاں تک کہ ان پڑھ بھی اہلِ ذوق کی فیضِ صحبت سے صاحبِ ذوق نظر
آتے تھے۔ خوش اطواری اور سلیقہ دلّی کا جوہر تھا۔ زبان کی تو ٹکسال ہی تھی
جس نے دلّی نہیں دیکھی یا جو دلّی میں نہیں رہا وہ زبان داں ہی نہیں، گویا
جامع مسجد کی سیڑھیاں ادبستانِ زبان تھیں۔ شاعری کا گھر گھر چرچا تھا، خود

بادشاہ شاعر تھے، شعرِ سخن کے قدردان تھے۔ قلعۂ معلیٰ کی زبان فصاحت کی جان تھی۔

● یہ خوش حالی اور زندہ دلی جو بظاہر نظر آتی تھی، اس کی بنیاد کھوکھلی ہو چکی تھی، تساہل اور غفلت جو اعمال کا نتیجہ ہیں اپنا کام کر چکے تھے۔ یہ ساری چہل پہل عادتاً اور روایتاً ہوتی چلی آتی تھی اور کسی اصل کی نقل معلوم ہوتی تھی۔ ایسے وقت میں زمانے کا رنگ پہچاننا بہت مشکل ہوتا ہے اور پہچانتے کیونکر سب پر ایک ہی رنگ چھایا ہوا تھا اور وہ ایسا رچ بچ گیا تھا کہ اس کا نکلنا آسان نہ تھا۔ دلّی والوں میں دو بڑے عیب تھے اور شاید اب بھی ہیں ایک تو وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے اور دوسرے کسی نئی چیز کے آسانی سے قائل نہیں ہوتے۔ ایسی عادت کا ہونا لازمی اور قدرتی تھا کیونکہ ان کا شہر وہ تھا جو صدہا سال سے تہذیب و شائستگی اور علوم و فنون کا مرکز تھا، جہاں کی ہر بات دوسروں کے لیے نمونہ اور قابلِ تقلید تھی، وہ دوسروں کے کیونکر قائل ہوتے۔ یہ سب کچھ سہی، لیکن اس زمانے کی ایک یادگار نہایت قابلِ قدر ہے۔ وہ اردو زبان کی ترقی ہے۔ اس زمانے میں اور اس کے بعد ایسے ایسے صاحبِ کمال گزرے ہیں کہ اردو ادب کی تاریخ میں ان کے نام خصوصیت کے ساتھ ذکر کیے جائیں گے اور ان کا کلام ہمیشہ ذوق شوق کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ یہ زمانہ ابتدائی ترقی کا تھا اور اس وقت سے ایسی بنیاد پڑی کہ یہ زبان آگے ہی بڑھتی گئی۔ یہ سب کچھ فارسی کا طفیل تھا۔ کئی صدی سے فارسی کی تعلیم کا رواج عام طور پر چلا آرہا تھا یہ کسی ایک مقام سے مخصوص نہ تھا بلکہ بنگال، بہار، دوآبہ، پنجاب، گجرات، دکن، مدراس، سب جگہ اس کا تسلط ہو گیا تھا۔ ہمارے اخلاق و آداب،

طور طریقے، نشست برخاست، طرز کلام وغیرہ پر فارسی کا اثر صاف نظر آتا تھا۔ اور یہ کچھ مسلمانوں ہی پر موقوف نہ تھا، ہندو مسلمان سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ بات بات میں فارسی امثال اور سعدی و حافظ، رومی و جامی یا خسرو کے اشعار بے ساختہ زبان سے نکل جاتے تھے۔ گلستان بوستاں، دیوانِ حافظ، یوسف زلیخا، سکندر نامہ اور شاہ نامے کا پڑھنا قومی شعار ہو گیا تھا۔ مدرسوں ہی میں نہیں، ہر گھر میں یہ کتابیں نظر آتی تھیں۔ اُس وقت کے کسی ہندو مصنف کی کتاب اٹھا کر دیکھیے، وہی طرزِ تحریر ہے، اور وہی اسلوبِ بیان ہے۔ ابتدا میں بسم اللہ لکھتا ہے، حمد و نعت و منقبت سے شروع کرتا ہے، شرعی اصطلاحات تو کیا حدیث و نصِ قرآن تک بے تکلف لکھ جاتا ہے۔ ان کتابوں کے مطالعے سے کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ کسی مسلمان کی لکھی ہوئی نہیں۔ قومی یگانگت میں تہذیب و دور کی یکسانی کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے۔

جب فارسی اس طرح چھا گئی تھی تو بول چال کی عام زبان اس سے کس طرح بچ سکتی تھی۔ اُردو نے اس کا دودھ پیا تھا، اسی کے سہارے پروان چڑھی اور وہ رنگ روپ نکالا کہ سب میں مقبول ہو گئی رفتہ رفتہ فارسی کی جگہ اسی کا چلن ہو گیا۔ یہ ایک قدرتی اصول تھا۔ جس طرح باپ کا جانشین بیٹا ہوتا ہے اسی طرح فارسی کی قائم مقام اُردو ہو گئی۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ دلی کالج کا فروغ شروع ہوا۔

ذریعۂ تعلیم

اس کالج کی بڑی خصوصیت یہ تھی اور اسی میں اس کی کامیابی کا

از تھا کہ ذریعۂ تعلیم اُردو تھا۔ عربی، فارسی، سنسکرت کی تعلیم تو خیر اُردو میں ہوتی ہی تھی لیکن دوسرے علوم جو داخلِ نصاب تھے ان کی تعلیم کا ذریعہ بھی اُردو ہی تھا لیکن سرکاری حلقے میں ایک جماعت ایسی پیدا ہو رہی جسے مشرقی تعلیم سے سخت سو رظنی تھی اور جب مشرقی اور مغربی تعلیم کا قضیہ پیش ہوا تو بازی اسی کے ہاتھ رہی۔

۱۸۳۵ء ہندستان کی تعلیمی تاریخ میں ایک انقلاب انگیز سال ہے۔ اس تاریخ سے اس ملک کی تعلیم کی کایا پلٹ ہوتی ہے اور ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اب تک یہاں کی تعلیم کی دو بڑی خصوصیتیں تھیں۔ ایک تو جتنے مدارس تھے، خواہ سرکاری یا غیر سرکاری، اُن سب میں مشرقی السنہ و علوم (عربی، سنسکرت، فارسی) کی تعلیم ہوتی تھی، طریقۂ تعلیم بھی مشرقی تھا، ذریعۂ تعلیم بھی مشرقی زبانیں تھیں، غرض سارا رنگ ڈھنگ مشرقی تھا وہ کمیٹی جو تعلیم عامہ کی نگراں کی گئی تھی اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ مشرقی السنہ کی تعلیم کی ترقی میں کوشش کرے۔ اگرچہ دہلی اور بنارس کے کالجوں میں انگریزی مدرسے بھی ملحق کر دیے گئے تھے اور کلکتہ مدرسہ اور کلکتہ سنسکرت کالج میں بھی انگریزی جماعتوں کا اضافہ کر دیا گیا تھا اور چند درس گاہوں میں جغرافیہ ہیئت، ہندسہ اور تشریح کی تعلیم بھی جاری کر دی گئی تھی لیکن ان کی حالت محض ابتدائی تھی اور مشرقی تعلیم کے سامنے اُن کا چراغ جلنے نہیں پایا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ جتنے سرکاری اور امدادی مدارس تھے ان میں تقریباً سب طلبا کو وظیفے دیے جاتے تھے۔ ایک تیسری بات اور تھی، یعنی سنسکرت اور عربی کی ترقی کی خاطر ان قدیم زبانوں میں تراجم کے لیے فیاضی سے امداد دی جاتی تھی اور حقیقت یہ ہے کہ اُس زمانے کے لحاظ سے یہ علمی سرپرستی

حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ صرف ایک کتاب کے عربی ترجمے کے لیے
بتیس ہزار روپے کی منظوری دی گئی۔ بعض صورتوں میں یہ بھی ہوتا تھا کہ اگر ترجمہ
ایسا ہوتا جو سمجھ میں نہ آتا تو اس کی تشریح کے لیے مترجم کو معقول تنخواہ پر ملازم
رکھ لیا جاتا، بہت سا روپیہ ان کتابوں کے چھاپنے پر صرف ہوتا تھا، لیکن
چھپنے کے بعد ایک دوسری مشکل کا سامنا ہوتا تھا کہ یہ ڈھیر کے ڈھیر رکھے
کہاں جائیں۔ اس ذخیرے کے لیے مکان کا انتظام کرنا پڑتا تھا۔ چونکہ ان کتابوں
کی عام طور پر تو مانگ ہوتی نہ تھی اس لیے ان کا سارا بار الماریوں پر تھا۔ یہ لکھتے
ہوئے مجھے حیدرآباد دکن کی مجلس "دائرۃ المعارف" یاد آتی ہے اور اگر جلد خبر نہ
لی گئی تو ڈر ہے کہ "دارالترجمہ" کا بھی کہیں یہی حشر نہ ہو۔

ان لوگوں کی نظروں میں جو مشرقی تعلیم کو بیکار محض خیال کرتے تھے،
یہ تینوں باتیں سخت قابلِ اعتراض تھیں، حالانکہ اگر دیکھا جائے تو ان میں
کوئی بھی ایسی بات نہ تھی کہ اس پر واویلا مچایا جائے۔ اول تو گورنمنٹ کا تعلیم
پر صرف ہی کیا ہوتا تھا، اور اگر اس کے انتظام کا دوسرے شعبوں سے مقابلہ
کیا جائے تو اس رقم کی کچھ بھی حقیقت نہ تھی جو تعلیم پر صرف کی جاتی تھی۔ رہے
ترغیبی وظایف، تو اس وقت کی حالت کے لحاظ سے ان کا دینا ضروری اور قرینِ
مصلحت تھا۔ جب تعلیم کا شوق پیدا ہو جاتا تو رفتہ رفتہ کم کر دیے جاتے اور
ایسا ہی ہوا جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔ اب رہا کتابوں کا ترجمہ اور طبع کے
مصارف، سو اس کے متعلق شکایت کرنا کسی قدر تنگ نظری ہے۔ اسے تجارتی
نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ بے شک اس وقت ان کی مانگ نہ تھی، لیکن ہر
چیز کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ مانگ ہو تو بہم پہنچائی جائے۔ بعض اوقات
مانگ پیدا کرنی پڑتی ہے۔ ان کتابوں کا وجود میں آ جانا ہی غنیمت تھا، خواہ کوئی

بے پایاں ہے، کیونکہ انھی پر آیندہ علم کی ترقی و اشاعت کا دارومدار تھا۔ اس وقت کا یہی اقتضا تھا اور انھی کے طفیل میں ایک وقت ایسا آتا کہ اس قسم کی کتابیں ہاتھوں ہاتھ بکتیں۔ مانگ یا قدر کے لیے یہ کیا ضرور ہے کہ فوراً ہی ہو آج وہی کتابیں ہیں کہ ان کے دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں، ڈھونڈھتے ہیں اور نہیں ملتیں۔ کبھی کبھی تجارتی نظر سے ہٹ کر بھی دیکھنا پڑتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ نقص تھے۔ انھیں رفع کرنا چاہیے تھا۔ خرابیاں تھیں، ان کی اصلاح ہونی چاہیے تھی۔ لیکن یہ کیا کہ سرے سے عمارت ہی کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔

بہر حال لارڈ بیٹنگ کے رزولیوشن مورخہ ۷ مارچ ۱۸۳۵ء نے ان سب کا خاتمہ کر دیا۔ وہ رزولیوشن جسے اب تاریخی حیثیت حاصل ہو گئی ہے یہ ہے:-

"گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کی یہ رائے ہے کہ حکومتِ برطانیہ کا بڑا مقصد اہلِ ہند میں یورپین لٹریچر اور سائنس کی اشاعت کرنا ہے اور جس قدر رقوم مقاصدِ تعلیم کے لیے مخصوص ہیں وہ صرف انگریزی تعلیم پر صرف ہونی چاہییں۔

ہز لارڈ شپ کا یہ منشا نہیں ہے کہ دیسی تعلیم کے کسی ایسے کالج یا مدرسے کو توڑ دیا جائے جس کے فوائد سے دیسی لوگوں میں تمتع حاصل کرنے کا شوق پایا جاتا ہو۔

گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل طلبا کو زمانۂ تعلیم میں وظائف دینے کا عمل قطعاً قابلِ اعتراض خیال کرتے ہیں۔ ان کی رائے میں یہ ان علوم کی تشویق کی مصنوعی ترغیب ہے اور جب زیادہ مفید علوم کی تعلیم

دی جائے گی تو یہ خود بخود ان پر سبقت لے جائیں گے اس لیے وہ ہدایت کرتے ہیں کہ آیندہ کسی طالبِ علم کو کسی قسم کا کوئی وظیفہ نہ دیا جائے۔ اور جب کبھی مشرقی تعلیم کے کسی پروفیسر کی جگہ خالی ہو تو اس کی رپوٹ گورمنٹ کو دی جائے اور ساتھ ہی یہ بتایا جائے کہ جو جماعت اس کے زیرِ تعلیم تھی اس میں طلبا کی کیا تعداد ہے اور اس جماعت کی کیا حالت ہے تاکہ گورمنٹ اس کے جانشین کے تقرر پر غور کر سکے۔

ہز لارڈ شپ بہ اجلاسِ کونسل کو یہ اطلاع ملی ہے کہ کمیٹی نے رقمِ خطیر مشرقی کتب کے طبع میں صرف کی ہے۔ ہز لارڈ شپ بہ اجلاسِ کونسل ہدایت کرتے ہیں کہ آیندہ ان رقوم کا کوئی جز اس کام میں نہ لایا جائے۔

ہز لارڈ شپ بہ اجلاسِ کونسل ہدایت فرماتے ہیں کہ وہ تمام رقوم جو ان اصلاحات کے رو سے کمیٹی کے قبضے میں آئیں وہ آیندہ دیسی لوگوں میں انگریزی زبان کے ذریعے سے انگریزی علم ادب اور سائنس کی اشاعت میں صرف کی جائیں۔"

اس حکم کے جاری ہونے پر بڑا ہنگامہ مچا۔ صرف وہی لوگ اس کے مخالف نہ تھے جن کی روزی پر اس سے آنچ آتی تھی بلکہ ان بڑے بڑے صاحبِ اثر یورپین عہدے داروں نے بھی جو مشرقی علوم و السنہ کے حامی تھے اس کی اسی زور سے مخالفت کی۔ مشرقی علوم و السنہ کا سب سے بڑا حامی اور اس معاملے میں میکالے کا بہت بڑا حریف مسٹر ہنری ٹامس پرنسپ تھا جو گورنر جنرل کی کونسل کا ممبر تھا اور بعد میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا ڈائرکٹر ہو گیا۔ اس نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی اور کونسل میں پرنسپ اور میکالے میں بہت

تیز اور سخت بحث ہوئی۔

لیکن احکام جاری ہو چکے تھے اور ناطق تھے۔ تعلیمی کمیٹی کو اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ تعمیل کرے۔ کمیٹی کے صدر مسٹر شیکسپیر نے بہ طور ناراضیٔ احکام استعفا دے دیا اور ان کی جگہ مسٹر میکالے (مشہور لارڈ میکالے) کا تقرر ہوا۔ یہ شخص یک بگا اور اپنی رائے کا بڑا پکا تھا لارڈ بنٹنگ کے رزولیوشن پر اسی کے خیالات کا اثر پڑا۔ مشرق و مغرب کے مسئلے میں وہ اپنی خوش بیانی اور طلاقت کے زور سے بازی لے گیا۔ اس نئے صدر کے تحت میں، جو درحقیقت خود ہی اس تجویز کا بانی تھا، کمیٹی نے احکام بالا کی تعمیل بڑے شد و مد سے کی۔

اگرچہ لارڈ بنٹنگ کے رزولیوشن میں آنسو پونچھنے کے لیے یہ لکھ دیا گیا تھا کہ اس سے ایسے دیسی علوم کے مدارس کا بند کرنا مقصود نہیں ہے جن کے فوائد سے دیسی لوگوں کو متمتع ہونے کی توقع ہے لیکن کمیٹی نے اس رزولیوشن کی تعمیل ایسے عجیب طریقے سے کی کہ مشرقی تعلیم کا خاتمہ ہی ہو گیا۔

ان احکام کی تعمیل میں ایک مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ سرکاری مدارس میں دیسی زبانوں کی تعلیم کس حد تک ہو۔ بعض کہتے تھے کہ گورنمنٹ کے ریزولیوشن کی رو سے دیسی زبانیں بالکل خارج ہو گئی ہیں اور تمام رقم صرف انگریزی تعلیم پر صرف ہونی چاہیے۔ جنرل کمیٹی نے فوراً اس غلطی کی اصلاح کی اور ایک بیان شائع کیا جس میں اس نے اظہارِ افسوس کیا کہ ریزولیوشن کے یہ معنی لیے گئے ہیں اور یہ بیان کیا کہ ان احکام کے جاری ہونے سے پہلے اس مسئلے کے متعلق جو بحث ہوئی

تھی، اس میں ہر فریق نے دیسی زبانوں کی اہمیت کا اعتراف کیا تھا۔ اصل تنازع انگریزی زبان اور مشرقی علمی زبانوں کے درمیان تھا، دیسی زبانوں سے اسے کچھ تعلق نہ تھا۔

مگر اس بیان سے بھی تعلیم پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ جنرل کمیٹی کا منشا یہ تھا کہ دیسی لڑکوں لڑکیوں کو بالکل ابتدائی تعلیم دیسی زبان کے ذریعے سے دی جا سکتی ہے۔

اصل بحث مشرقی اور مغربی علوم السنہ کی تھی، اس میں غریب دیسی زبان مفت میں پٹ گئی۔ آپس کے مباحثے اور نزاع کی گرماگرمی میں صحیح رستہ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ صحیح فیصلہ دونوں کے بین بین تھا۔ مغربی علوم اور انگریزی زبان کے فوائد سے کسے انکار ہو سکتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہم اپنی قدیم زبانوں کو کیوں کر چھوڑ سکتے تھے جن پر ہماری تہذیب کی بنیاد ہے۔ دوسرا مسئلہ ذریعۂ تعلیم کا تھا۔ مقصد تو حصول علم سے تھا اور اس امر کے ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل و حجت کی ضرورت نہیں کہ علم کی تحصیل جس آسانی اور خوبی سے اپنی زبان کے واسطے سے ہو سکتی ہے غیر زبان کے ذریعے سے نہیں ہو سکتی۔ اس کی طرف کسی کا خیال نہ گیا۔ اس کے خلاف سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ اگر دیسی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنائیں تو کتابیں کہاں سے لائیں۔ بے شک یہ بڑا نقص تھا مگر لاعلاج نہ تھا۔ لارڈ بنٹنگ کے ریزولیوشن نے اس کی گنجایش نہ چھوڑی اور ذریعۂ تعلیم بھی انگریزی ہی قرار پاتا۔

لارڈ بنٹنگ[1] کے ریزولیوشن سے اور خاص کر جس نامناسب اور ناگوار طریقے سے تعلیمی کمیٹی نے اس کی تعمیل کی تھی اس سے جو بے اطمینانی

اور بدگمانی پیدا ہوگئی تھی، وہ رفع نہ ہوئی۔ اس بے اطمینانی کے اسباب یہ تھے:۔

۱۔ سب سے پہلی بات یہ تھی کہ مشرقی مدارس کو کم زور کردیا گیا۔ ان کی رقمیں ان سے چھین کر یا تو ایسی انگریزی جماعتوں کی اعانت میں صرف کی گئیں جو ان کی نظر کے سامنے ایک ہی چھت کے نیچے تعلیم پاتی تھیں، یا اضلاع (مفصلات) کے ایسے مدارس کی مدد کے لیے مخصوص کردیں، جہاں انگریزی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ عمل خلافِ انصاف اور خلافِ احکام گورمنٹ خیال کیا گیا۔

۲۔ جہاں کہیں دیسی زبان کی تعلیم کے لیے جداگانہ جماعتیں تھیں، انھیں توڑ دیا گیا، اور ذریعۂ تعلیم کے لیے عام طور پر انگریزی کو دیسی زبان پر ترجیح دی گئی اور دیسی زبان کی تعلیم برائے نام انگریزی تعلیم کے ساتھ لگادی گئی۔

۳۔ وظائف مسدود کردیے گئے جس سے دہلی اور دوسرے مقامات میں بہت ناراضی پھیلی کیوں کہ لوگ تعلیم کو کارِ خیر سمجھتے تھے۔ دوسری بات یہ تھی کہ اکثر طالبِ علم نادار تھے اور وہ اپنی تعلیم زیادہ دنوں تک جاری نہیں رکھ سکتے تھے۔

اس عام بے اطمینانی کی بنا پر لارڈ آکلنڈ نے جو لارڈ بنٹنگ کے بعد ہندستان کے گورنر جنرل ہوکر آئے، ان تمام امور پر غور کیا اور ۲۴ نومبر ۱۸۳۹ء کو جنرل کمیٹی تعلیمِ عامّہ کے نام ایک یادداشت لکھی۔ یہ یادداشت بہت اہم ہے۔ اس نے ان غلط فہمیوں کو رفع کیا جو لارڈ بنٹنگ کے ریزولیوشن سے پیدا ہوگئی تھیں۔

لارڈ آکلنڈ نے صاف الفاظ میں یہ فیصلہ کیا کہ مشرقی مدارس میں مشرقی تعلیم کی تکمیل و ترقی کو قطعی طور سے ترجیح دی جائے اور کامل ترقی و تکمیل کے بعد (اس سے قبل ہرگز نہیں) جو رقم بچے وہ انگریزی تعلیم کی ترقی میں صرف کی جائے۔ مشرقی مدارس کی بہتری اور اصلاح کے لیے یہ مناسب ہوگا کہ اعلیٰ قابلیت کے دیسی مدرسین مقرر کیے جائیں اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ان کو معقول تنخواہیں دی جائیں۔ طلبا کے وظائف کا دستور پھر جاری کیا جائے۔ مشرقی زبانوں کی مفید کتابیں شائع کی جائیں۔ تجربے کار اور واقف کار یوربین وزیٹر کا تقرر کیا جائے تاکہ وہ اُن پر نگرانی رکھے اور وقتاً فوقتاً ان کا معائنہ کرتا رہے۔

یہ تجویزیں بہت معقول تھیں اور کورٹ آف ڈائرکٹرز نے بھی اپنی رائے میں انھی خیالات کا اظہار کیا۔ انھوں نے لکھا کہ ہمارا منشا بھی یہی ہے جو رقم جس مشرقی مدرسے کے لیے مخصوص کر دی گئی ہے وہ بالکلیہ اسی مدرسے کی تعلیم پر صرف کی جائے اور مدرسے میں مشرقی تعلیم کی ترقی و تکمیل سب سے مقدم رکھی جائے۔

اس بنا پر لارڈ آکلنڈ نے یہ حکم دیا کہ لارڈ بنٹنگ کے ریزولیوشن سے قبل جو جو رقمیں جن جن مشرقی مدارس کے لیے مخصوص تھیں وہ سب اُن کو واپس کر دی جائیں اور اگر انگریزی تعلیم کی ترقی کے لیے مزید رقم کی ضرورت ہوئی تو اس کے لیے جدید منظوری دی جائے گی۔

انگریزی اور دیسی زبان مدارس کا ذریعۂ تعلیم

لارڈ آکلنڈ نے ذریعۂ تعلیم کے مسئلے پر بھی کامل غور کیا اور گزشتہ اور موجودہ حالات پر غور کرنے کے بعد

یہ فیصلہ کیا کہ انگریزی اور دیسی زبان کی مشترکہ تعلیم کا جو اصول اس وقت رائج ہے وہی مناسب ہے اور فی الحال اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں۔ البتہ جب دیسی زبانوں میں اچھی کتابوں کا سلسلہ تیار ہو جائے تو پھر اس میں کسی قدر تغیر و تبدل کی ضرورت واقع ہوگی۔ اس وقت مسئلہ یہ ہوگا کہ آیا صوبے کے مدارس میں تعلیم انگریزی کے ذریعے سے دی جائے یا دیسی زبان کے ذریعے سے۔ اُن کے خیال میں جب ایسی کتابوں کا سلسلہ تیار ہو جائے تو یہ جو قاعدہ ہے کہ ان مدارس میں دیسی زبانوں کی جماعتیں جاری نہ رکھی جائیں اسے نرم کرنا پڑے گا۔ اس وقت انگریزی یا دیسی زبان لازمی طور پر پڑھنے کی شرط لگانی ضروری نہ ہوگی بلکہ طالب علم کو پوری آزادی ہوگی کہ خواہ وہ انگریزی تعلیم حاصل کرے یا دیسی تعلیم۔

بہرحال لارڈ آکلنڈ کی رائے میں مزید تجربے کی ضرورت تھی۔ اس وقت دو بڑے تجربے زیرِ امتحان تھے۔ ایک بنگال میں جہاں انگریزی ذریعۂ تعلیم تھی اور دوسرا احاطۂ بمبئی میں جہاں دیسی زبان کے ذریعے سے تعلیم دی جاتی تھی۔ ان دونوں طریقوں کو ابھی اور آزادی سے چلنے دینا چاہیے اور ان کے نتائج پر نظر رکھنی چاہیے۔

غرض گورنر جنرل بہادر کا منشا یہ تھا کہ تعلیم کی اشاعت اعلیٰ اور اوسط دونوں طبقوں میں ہونی چاہیے۔ موجودہ طریقے سے تعلیم صرف ایک چھوٹے سے طبقے میں محدود رہے گی، لہٰذا ملک کے باقی حصّے کو دیسی زبان کے ذریعے سے تعلیم دینے پر قناعت کرنی چاہیے اگرچہ وہ انگریزی کے مقابلے میں کم درجے کی ہوگی۔

اسی زمانے میں تعلیمی کمیٹی نے اپنی رائے کا اظہار کیا کہ جس اصول پر

وہ عامل ہو وہ اس کی رائے میں بالکل صحیح ثابت ہوا ہو اور کمیٹی اس امر کی کوشش کرتی رہے گی کہ بڑے بڑے شہروں میں اینگلو ورنیکلر مدارس کو ترقی دے اور جہاں تک حالات مساعدت کریں تعلیم کو ملک کے با اثر طبقے میں شائع کرے۔ کمیٹی کو توقع ہو کہ جب وہ طالب علم جو ان مدارس میں تعلیم پا رہے ہیں مغربی علوم سے کامل واقفیت حاصل کرلیں گے تو سارے ملک میں ترقی کی ایک لہر دوڑ جائے گی اور بالآخر ملک کا ہر طبقہ اس کے فوائد سے مستفید ہوگا۔

دیسی زبان کے ذریعۂ تعلیم ہونے کے متعلق جو دل خوش کن توقع لارڈ آکلنڈ نے اپنے فیصلے میں دلائی تھی وہ کاغذ ہی پر رہ گئی۔ اس میں سلسلۂ کتب تیار ہونے کی شرط تھی اور یہ شرط بڑی کڑی تھی۔ کتابیں کیسے تیار ہوتیں جب کہ اُن کے تیار کرنے کے لیے کوئی باقاعدہ اور سچی کوشش نہیں کی گئی۔ آنے والے ماہرینِ تعلیم نے اسے بالکل نظر انداز کردیا اور سہل رستہ اختیار کرلیا کہ مغربی علوم کی تعلیم انگریزی زبان کے ذریعے سے دی جائے ؛ اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ستم ظریفی یہ ہوئی کہ سنسکرت، عربی، فارسی کی تعلیم بھی انگریزی کے ذریعے ہونے لگی۔ دیسی زبانوں کی بدقسمتی کا کچھ ٹھکانا ہو۔ ۱۸۳۵ء سے قبل تقریباً تمام مدارس میں عربی، فارسی، سنسکرت کی تعلیم ہوتی تھی اور گورمنٹ بھی اس کی پوری تائید پر تھی اور ساری توجہ اور محنت اسی پر صرف کی جاتی تھی اور دیسی زبانوں کو کوئی پوچھتا بھی نہ تھا۔ جب لارڈ بنٹنگ کا ریزولیوشن عمل میں آیا تو انگریزی نے وہ زور پکڑا کہ اس نے عربی، سنسکرت ہی کو نہیں بٹھا دیا بلکہ دیسی زبانیں بھی کس مپرسی کی حالت میں آگئیں۔ ایک دہلی کالج ایسا تھا جہاں مغربی علوم یعنی ہیئت، ریاضیات، فلسفہ وغیرہ کی تعلیم بھی اُردو کے ذریعے سے دی جاتی تھی اور باوجود ان تمام موانعات کے جو معترضین

ذریعۂ تعلیم کی بحث میں ہر موقع پر پیش کرتے تھے وہ نہایت کامیاب رہا۔
اس کی تصدیق مسٹر کارگل پرنسپل دلّی کالج کے اس بیان سے ہوتی ہے جو ان کی سالانہ رپورٹ بابت ۱۸۵۲ء میں درج ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ :-

"مشرقی شعبے کا طالبِ علم اپنے مغربی شعبے والے حریف سے سائنس میں کہیں بڑھا ہوا ہے"

اس کے بعد ہی وہ اس پر اظہارِ افسوس کرتے ہیں کہ نصاب کی مناسب کتابیں نہیں ورنہ اس کا علم اور بھی بہتر ہوتا۔ پھر وہ لکھتے ہیں کہ :-

"حال ہی میں کالج کا معائنہ بعض نہایت قابل فوجی افسروں اور شہریوں نے کیا جو معاملاتِ تعلیم سے بخوبی واقف تھے۔ انھوں نے مشرقی شعبے کے طلبا کا امتحان لیا اور ان سے علم ہیئت، جنرل سائنس، اخلاقی اور مذہبی مسائل میں گفتگو کی۔ ان سب کا یہ بیان ہے کہ اس شعبے میں قطعی طور پر بڑی ترقی پائی جاتی ہے اور مختصر یہ کہ تمام ہندستان میں کسی جگہ ترقی کے ایسے آثار نہیں نظر آتے"

اس رپورٹ پر لفٹننٹ گورنر بہادر نے اپنے تبصرے میں مشرقی شعبے کے متعلق جو یہ الفاظ تحریر کیے ہیں :-

"طلبا (شعبہ مشرقی) کی سائنس کی ترقی کے متعلق جو تیقن دلایا گیا ہے اس سے بے حد مسرت ہوئی"

۱۸۵۶ء کی رپورٹ میں درج ہے کہ عربی فارسی کی جماعتوں کے علاوہ سائنس کی جماعتیں بھی تھیں جن میں نہایت احتیاط سے مغربی سائنس زبانِ اُردو کے ذریعے کامل طور پر پڑھائی جاتی تھی۔ ماسٹر رام چندر اور دیگر اساتذہ کی قابلانہ درس و تدریس سے طلبا ایسے ہوشیار ہو گئے تھے کہ وہ ریاضی نیچرل

فلاسفی اور تاریخ وغیرہ میں شعبۂ انگریزی کے طلبا کو نیچا دکھلانے لگے تھے اور مقابلے کے امتحان میں بازی لے جاتے تھے۔

رام سرن داس صاحب ڈپٹی کلکٹر اور ممبر لوکل کمیٹی دلّی کالج نے اس سال طلبا کا امتحان لیا اور انھوں نے اس بارے میں جو کیفیت درج کی ہے وہ طلبا کی محنت و ذکاوت پر دلالت کرتی ہے۔ طلبا نے نہایت اطمینان بخش جوابات دیے اور ممتحنین اس سے بہت خوش ہوئے۔ طلبا بالعموم تمام مضامین میں نہایت اچھے نکلے۔ صرف ایک چیز کی یعنی بدخلقی کی شکایت کی ہے اور یہ شکایت غالباً ہمارے کالجوں اور مدرسوں میں اب بھی پائی جاتی ہے۔

مسٹر فریڈرک جان مواٹ Monat ایم۔ ڈی۔ ال ال، بی فسٹ فزیشن میڈیکل کالج کلکتہ و سکریٹری کونسل آف ایجوکیشن بنگال نے اپنی رپوٹ میں دہلی کالج کے طلبا کی استعداد اور قابلیت اور خاص کر ان کی سائنس کی واقفیت پر بہت قابلِ تحسین الفاظ میں تعریف کی تھی۔ گورمنٹ ممالکِ متحدہ مغربی شمالی نے جنرل کمیٹی تعلیم عامہ کی رپوٹ بابت ۵۳-۱۸۵۲ء پر جو ریزولیوشن لکھا ہے اس میں اس کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:-

"اُردو کے ذریعے سے دہلی کالج میں جو سائنس کی تعلیم دی جاتی ہے اس کی مسٹر مواٹ نے بہت تعریف کی ہے۔ ہز آنر ایسی تعلیم کی جو اس ذریعے سے دی جاتی ہے اور خاص کر سائنس کی تعلیم کی بہت قدر کرتے ہیں۔"

یہ ساری برکت اس کی تھی کہ ذریعۂ تعلیم اُردو تھا اور تمام مضامین

اسی زبان میں پڑھائے جاتے تھے جس کی تائید میں ہم اس وقت کے دو ذمے دار ماہرانِ تعلیم کی رائیں پیش کرتے ہیں ا۔ مسٹر کر ناظمِ تعلیماتِ احاطۂ بنگال اپنے تبصرۂ تعلیمی بابت ۱۸۵۳ء میں لکھتے ہیں کہ:-

"ایک مدت سے دلی کالج کی ایک خصوصیت ایسی چلی آرہی ہے جو اسے بالائی اور زیریں صوبجات کے دوسرے کالجوں سے ممتاز کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہاں دیسی زبان (اردو) کے ذریعے تعلیم دی جاتی ہے اور یہ (امتیازی خصوصیت) خاص طور پر ریاضیات کی تمام شاخوں اور کم و بیش تاریخ اور اخلاق و فلسفہ (مارل سائنس) کی تعلیم سے تعلق رکھتی ہے۔ اس طریقۂ تعلیم پر مسٹر بتروس نے اپنے زمانۂ پرنسپلی میں استقلال کے ساتھ عمل درآمد کیا اور ان کے جانشین ڈاکٹر سپرنگر نے اسی جوش کے ساتھ جاری رکھا۔ یہ اب دہلی کالج کے نظامِ تعلیم کا ایک جز تسلیم کر لیا گیا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ اسے آزادی کے ساتھ بڑھنے اور پھولنے پھلنے دیا جائے۔ چند سال بعد ہمیں اس کے نتائج کا دوسرے طریقوں کے نتائج سے مقابلہ کرنے کا موقع ملے گا۔"

افسوس یہ موقع کبھی نہ آیا!!

ناظم صاحب تعلیماتِ ممالکِ مغربی شمالی نے اپنی رپوٹ ۱۸۵۶ء میں شعبۂ مشرقی کے قائم رکھنے پر اسی لیے زور دیا ہے کہ اس کی وجہ سے اُردو کے ذریعے علوم کی اشاعت ہوتی اور روشن خیالی پھیلتی ہے۔

تعلیمی حالت

مشرقی شعبہ | کالج کے ابتدائی زمانے میں زیادہ تر فارسی اور عربی کی

تعلیم ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ سنسکرت کا شعبہ بھی تھا۔ حساب اور مبادیاتِ اقلیدس کی بھی کچھ کچھ تعلیم دی جاتی تھی۔ کالج کی رپوٹوں میں بار بار اس کا ذکر ہے کہ تقسیمِ انعام کے موقعوں پر فارسی خوش خطی کے نمونے اور فارسی کے مضامین بطور نمایش کے رکھے جاتے تھے۔

۱۸۲۹ء کا حال میں لکھ چکا ہوں کہ اس سال کے امتحان کے عمدہ نتائج پر بڑی تعریف ہوئی اور جس قدر انعام طلبا کے لیے رکھے گئے تھے اس سے زیادہ دینے پڑے کیوں کہ طلبا کی تعداد اتنی اچھی اور ان کے جوابات ایسے برجستہ اور معقول تھے کہ وہ طلبا کو انعام سے محروم نہ کر سکے۔

۱۸۳۱ء میں جب لارڈ بینٹنگ نے کالج کا معائنہ فرمایا تو لارڈ صاحب کی فرمایش پر مسٹر میکناٹن نے عربی، فارسی اور سنسکرت کی اعلیٰ جماعتوں کا امتحان لیا۔ نتیجہ کچھ زیادہ قابلِ اطمینان نہ پایا گیا۔ ممتحن کی رائے میں طلبا کا علم شرع محمدی (فقہ) میں زیادہ وسیع نہ تھا اور طلبا کی زیادہ تر تعداد فارسی میں گلستاں بوستاں سے آگے نہ بڑھی تھی حالاں کہ یہ کتابیں ایسی ہیں کہ کالج میں داخل ہونے سے پہلے پڑھ کر آنی چاہییں۔

یہ رپوٹ جنرل کمیٹی کو بھیجی گئی تو اس نے بہت افسوس کا اظہار کیا اور لکھا کہ کالج کی حالت کئی سال سے رو بہ تنزل ہے۔ لوکل کمیٹی نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ طلبا عموماً کچھ شُد بُد ہونے کے بعد تلاشِ معاش کی خاطر کالج کو خیرباد کہہ دیتے ہیں۔ بعض مشرقی شعبے کو چھوڑ کر انگریزی شعبے میں چلے جاتے ہیں۔ کمیٹی نے آخر میں یہ رائے ظاہر کی کہ کسی ایسی ترغیب کا ہونا ضروری ہے کہ جس کی وجہ سے طلبا زیادہ مدت تک کالج میں رہ سکیں۔

کالج کے سکریٹری نے اپنی سالانہ رپوٹ ۱۸۴۳ء میں لکھا کہ عربی کی اعلیٰ جماعت میں صرف تین طالبِ علم ہیں۔ بہت لوگوں کا خیال ہے کہ عربی کی تعلیم نہ تو ویسی عام رہی ہے اور نہ ویسی پختہ جیسی پہلے تھی۔ اب یہ ذریعۂ معاش بھی نہیں رہی اور خالی خولی نام یا شہرت کا موجب رہ گئی ہے۔ یہ اَمر قابلِ افسوس ہے کہ طلبۂ فارسی کا نصاب ختم کرکے کالج چھوڑ دیتے ہیں اور جو عربی پڑھتے ہیں ان کا یہ حال ہے کہ کافیہ اور دوسری آسان کتابوں سے آگے نہیں بڑھتے اور سنو میں بمشکل چار پانچ ایسے نکلتے ہیں جو اعلیٰ شعبول تک پہنچتے ہیں[۱]۔

۱۸۴۵ء کی تعلیمِ عامہ کی رپوٹ میں اس اَمر کا اظہار کیا گیا ہے کہ فارسی اور عربی کا اب وہ شوق نہیں رہا جو انگریزی کا ہے۔ لوکل کمیٹی کو یہ شکایت ہے کہ فارسی عربی کی اعلیٰ قابلیت جو بڑی محنت، وقت اور روپیہ صرف کرنے سے حاصل ہوتی ہے، حصولِ معاش میں کچھ کام نہیں آتی۔ جنرل کمیٹی نے اس شکایت پر تعجب ظاہر کیا کہ اس وقت جب کہ فارسی دفتری زبان ہے اُس کا یہ حال ہے تو آیندہ جب دیسی زبان کا سرکاری عدالتوں اور دفتروں میں رواج ہو جائے گا اور سب غیر زبانیں مساوی حالت میں ہو جائیں گی تو وہ نظامِ تعلیم جو اس وقت مشرقی شعبے میں جاری ہے اور بھی بے سود ہو جائے گا۔

۱۸۴۷ء میں جو امتحان ہوا، اُس میں ممتحنین نے تعلیمی حالت کی تعریف کی ہے۔

---

[۱] تبصرۂ تعلیمِ عامہ احاطۂ بنگال بابت ۱۸۵۳ء مسٹر جے۔ کر ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن۔

۱۸۳۸ء کے آخر میں سالانہ امتحان ہوا۔ امتحان کے وقت شہر کے بہت سے شُرفا مدرسے میں جمع تھے۔ وہ طلبا کی لیاقت اور جوابات سے بہت خوش ہوئے۔ جماعتِ اعلیٰ کے عربی ترجمے اور فارسی انشا پردازی کے نمونے گورنمنٹ میں بھیجے گئے اور گورنمنٹ نے انھیں پسند فرمایا۔ سنسکرت کی جماعت کی حالت بھی قابلِ اطمینان بتائی گئی۔

۴۰-۱۸۳۹ء کی رپوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال بھی تعلیمی حالت قابلِ اطمینان تھی اگرچہ نصاب گزشتہ سالوں سے بڑھا ہوا تھا۔ عربی کی اعلیٰ جماعت شمس بازغہ ختم کرچکی تھی اور میرزاہد مع حاشیۂ عبدالعلی اور مقاماتِ حریری کا درس لے رہی تھی۔ اُردو کی جماعتوں نے خاص کر بہت قابلِ تعریف ترقی کی تھی۔

مسٹر ٹامسن مشرقی کالجوں کے وزیٹر (انسپکٹر) نے اپنی رپوٹ بابت ۴۲-۱۸۴۱ء میں دہلی کالج کے طلبا کی استعداد کے متعلق اچھی رائے نہیں دی۔ اُن کا مقصد یہ تھا کہ تعلیم اس سے اعلیٰ ہونی چاہیے وہ لکھتے ہیں کہ اکثر طلبا عربی صرف و نحو یا عربی کی آسان کتابیں پڑھتے تھے۔ شعبۂ سنسکرت کی جماعتِ اعلیٰ میں پانچ طالبِ علم آسانی سے سنسکرت کی عبارت لکھ سکتے تھے اور نظم بھی خاصی لکھ لیتے تھے۔ اُن کی رائے میں سنسکرت کی تعلیم اچھی تھی اور طلبا اس زبان میں پوری مہارت رکھتے تھے۔

اس کے چند سال بعد لوکل کمیٹی نے فارسی اور عربی شعبوں میں کامل اصلاح کی غرض سے یہ تجویز پیش کی کہ باقاعدہ نصاب تعلیم میں صرف کارآمد علوم کی تعلیم رکھی جائے اور عربی نحو اور منطق کی اعلیٰ کتابوں اور فقہ کی مستند کتب اور احادیث پر "فری لکچر" ہوا کریں۔

اس تجویز کے جواب میں لفٹنٹ گورنر بہادر نے جواب دیا کہ کمیٹی نصابِ تعلیم میں اس قسم کا تغیر و تبدل کر سکتی ہے جو مناسب غور کے بعد مفید معلوم ہو۔

۱۸۴۵ء میں ڈاکٹر سپرنگر پرنسپل کالج نے جن کا تقرر اسی سال ہوا تھا، ممالکِ مغربی شمالی کی گورمنٹ کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی کہ مدرسے کی بعض ابتدائی جماعتیں توڑ دی جائیں اور ان کی بجائے ابتدائی تعلیم کے لیے ایک اسکول قائم کیا جائے جس میں لڑکے مدرسے کی تعلیم کے لیے تیار کیے جائیں۔ لفٹنٹ گورنر بہادر نے اگرچہ اس تجویز کو پسند کیا اور اسے بھی تسلیم کیا کہ جب تک لڑکے خاص درجے کی لیاقت نہ رکھتے ہوں مدرسے میں داخل نہ کیے جائیں لیکن مدرسے سے متعلق مجوزہ اسکول قائم کرنا ایک ایسا فعل ہے جس کی سودمندی مشتبہ ہے۔ اس رائے کی تائید میں بعض وجوہ بہ بیان کی گئیں:-

"جہاں تک ہماری درس گاہیں دیسیوں کو اُن مضامین کی تعلیم دیتی ہیں جن کی تعلیم وہ دوسری جگہ نہیں حاصل کر سکتے یا اگر وہ اُن مضامین کو دوسری جگہ حاصل کر سکتے ہیں مگر ہم عمدہ طریقے پر دیتے ہیں تو وہاں تک ان درس گاہوں کا فائدہ بہت بڑا ہے۔ لیکن جب ہماری درس گاہیں ایسی تعلیم دینے کی کوشش کرتی ہیں جسے لوگ دوسری جگہ بخوبی حاصل کر سکتے ہیں یا خود اس کا انتظام کرنے کے لیے آمادہ ہیں تو ہماری درس گاہوں کا فائدہ بہت کچھ کم ہو جاتا ہے بلکہ شاید مضر ہے۔ اس لیے کہ ہم یہ تعلیم مفت دیتے ہیں جس کے لیے لوگ اجرت ادا کرنے کے لیے تیار ہیں اور اس طرح لوگوں کی ذاتی مساعی کے مانع ہوتے ہیں۔

دیسی زبانوں کی ابتدائی تعلیم کالج کے باہر آسانی سے حاصل ہو سکتی ہے اور روز بروز ان کی تعلیم سہل ہوتی جاتی ہے۔ پڑھنا لکھنا اور تقسیم تک حساب دیسی لوگ خود اپنے طریقے پر سکھا سکتے ہیں اور انگلستان نے یہ طریقہ انھی سے سیکھا ہے اور اسے ان کے قومی طریقے سے نامزد کیا ہے، ان چیزوں کو ہمارے کالج میں پڑھانا گویا وقت اور روپے کا ضائع کرنا ہے۔ مناسب یہ ہوگا کہ فی الحال بہترین دیسی لڑکے داخل کر لیے جایا کریں اور انھیں علم کی ان شاخوں میں اعلیٰ تعلیم دی جائے جن میں ہم ان کی ترقی چاہتے ہیں۔

داخلے کے لیے سہ ماہی امتحانات لیے جائیں اور حسبِ گنجایش بہترین امیدوار انتخاب کر لیے جائیں۔ اگر درس گاہ مقبول ہیں تو تعداد کم ہو جائے گی ورنہ زیادہ ہو جائے گی اور غالباً اس قدر زیادہ کہ تعلیمی فیس لگانی پڑے اور اس سے بہتر کیا ہوگا۔

یہ توقع کی جاتی ہے کہ اگر کالجوں کی حالت اچھی رہے اور جو تعلیم وہاں دی جاتی ہے اس کی قدر کی گئی تو داخلے کا معیار بڑھا دیا جائے اور رفتہ رفتہ وہ ابتدائی تعلیم موقوف کر دی جائے جو اب ادنیٰ جماعتوں کو دی جاتی ہے۔"

ان خیالات کی بنا پر ادنیٰ وظائف کے مستحق باہر والے بھی قرار دیے گئے۔ جس کا ذکر اس کے موقع پر کیا جائے گا۔

مسٹر بٹروس جو اس وقت پرنسپل تھے اور نہایت قابل اور ہمدرد شخص تھے۔ اس سال (۱۸۴۵ء) بوجہ علالت دو سال کی رخصت لے کر انگلستان چلے گئے۔ انھوں نے اپنی آخری رپوٹ میں مشرقی شعبے کے متعلق

جو خیالات ظاہر فرمائے ہیں ان کا خلاصہ ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوگا کہ اس طریقۂ تعلیم نے کیا کیا کام کیا تھا۔

مسٹر بٹروس نے اپنی ان مساعی پر جو انھوں نے کالج میں تاریخ، اخلاق اور سائنس کی تعلیم کے متعلق کی تھیں، اپنا پورا اطمینان ظاہر کیا اور اس امر کی توقع ظاہر کی کہ اگر ایک سال اور اسی طرح کوشش جاری رہی تو مشرقی شعبے کے طالب علم سوائے تاریخ کے کسی علم میں انگریزی شعبے والوں سے کم نہیں رہیں گے۔ تاریخ کی کمی پوری کرنے کے لیے بڑی بڑی کتابوں کے ترجمے کی ضرورت ہے، اس وقت تک جو ترجمے ہوئے ہیں وہ کافی نہیں ہیں۔ انھوں نے بیان کیا کہ جو تعلیم مشرقی کالج کے نوجوانوں کو دی گئی ہے اس کا ایک خوش گوار نتیجہ یہ ہے کہ ان میں سے متعدد طالب علم اپنی فرصت کے اوقات میں انگریزی زبان کی تحصیل میں بڑی مستعدی سے کوشش کر رہے ہیں تاکہ وہ تلاش حق میں زیادہ آزادی سے کام کر سکیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ان میں سے بعض نوجوان آیندہ سال سینیر انگلش وظائف کے لیے مقابلے کی کوشش کریں گے۔

مسٹر بٹروس نے اس خیال کا بھی اظہار کیا کہ مشرقی کالج کے نصاب تعلیم میں علاوہ ان علوم کے جو عام طور پر دیسی مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں، بعض دوسرے علوم کے داخل کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان علوم نے اس تعصب اور تنگ خیالی میں جو محض عربی فارسی کے طلبا میں پائی جاتی ہے تخفیف اور اعتدال پیدا کر دیا ہے۔

ایک دوسرا امید افزا واقعہ مسٹر بٹروس نے یہ بیان کیا ہے کہ دیسی شرفا و امرا میں جو بدگمانی انگریزی طریقۂ تعلیم کی طرف سے تھی اس میں بہت کچھ کمی نظر آتی ہے۔ اس کے ثبوت میں دو امیر خاندانوں کے لڑکوں کا ذکر کیا ہے جو

کالج میں داخل ہوئے۔ ایک تو نواب جھجر کا بیٹا اور دوسرا سوہن لال وزیرِ اعظم بادشاہِ دہلی کا بیٹا۔ اور امید ظاہر کی ہے کہ اس طبقے کے اور طالب علم بھی کالج میں داخل ہوں گے۔

انگریزی شعبہ

انگریزی جماعت کا اضافہ ۱۸۲۸ء میں کیا گیا تھا۔ اوّل اوّل ان تمام طلبا کو داخل ہونے کی اجازت دی گئی جو مشرقی السنہ کی تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ وہ وظیفے بھی پاتے رہیں اور اپنے نام بھی مشرقی شعبے میں بدستور رہنے دیں۔ لیکن اس انتظام میں دقت معلوم ہوئی کیوں کہ نصف سے زیادہ طلبا نے انگریزی پڑھنے کی خواہش ظاہر کی۔ لہذا انگریزی شعبے کو علیحدہ قائم کرنے کی رائے قرار پائی۔ پندرہ وظیفے صرف انگریزی جماعت کے لیے الگ قائم کیے گئے۔ اور یہ قاعدہ قرار دیا گیا کہ مشرقی شعبے کا جو طالبِ علم اس شعبے کو چھوڑ کر انگریزی شعبے میں داخل ہونا چاہے گا تو وہ اس وظیفے سے محروم کر دیا جائے گا جو اسے مشرقی شعبے میں مل رہا ہے۔ انگریزی خواں طلبا کے وظائف کی تعداد رفتہ رفتہ بڑھا دی گئی۔

۱۸۲۹ء میں ممتحن کی رپوٹ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طلبا نے انگریزی تعلیم میں خاطر خواہ ترقی کی ہے اور تاریخِ انگلستان کے ابتدائی حصے کے واقعات سے نہایت تفصیل کے ساتھ واقف ہیں۔ ممتحن کہتا ہے کہ میں گھنٹے بھر جرح کرتا رہا لیکن کوئی ایک غلطی بھی طالبِ علموں نے اپنے جوابات میں نہیں کی، ان کو نہایت جزئی امور بھی صحت کے ساتھ یاد تھے۔ انگریزی صرف و نحو کے قواعد سے بھی وہ بخوبی واقف تھے البتہ فارسی اُردو سے صحیح انگریزی میں ترجمہ کرنے میں ناقص تھے۔

دوسرے سال کے امتحان میں یہ معلوم ہوا کہ لڑکوں نے انگریزی

پڑھنے کے طریقے میں خاصی ترقی کی ہے اور انگریزی میں گفتگو بھی کر سکتے ہیں مگر بے تکلفی کے ساتھ نہیں اور نحوی قواعد کی صحت کا بھی خیال نہیں کرتے۔ انگریزی ترجمے میں بھی ممتحن نے ان کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ ان کے "ترجمے ایسے ہی اچھے تھے جیسی ان سے توقع ہو سکتی تھی"۔

سنہ ۱۸۳۲ء میں نصاب میں جیومیٹری (علمِ ہندسہ) کا اضافہ کیا گیا۔ اس سال کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ طلبا نے کچھ زیادہ ترقی نہیں کی۔ رپوٹ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اب وہ اس درجے کو پہنچ گئے ہیں کہ جہاں ترقی استاد کی کوشش پر نہیں بلکہ اپنی محنت پر ہے۔

سنہ ۱۸۳۵ء کی رپوٹ میں جنرل کمیٹی نے یہ رائے ظاہر کی کہ انگریزی شعبے میں سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ اعلیٰ درجے کی تعلیم کے وسائل مہیا کیے جائیں۔ وکل کمیٹی سے یہ خواہش کی گئی ہے کہ وہ کالج کی تنظیم کی اسکیم پیش کرے جس میں پروفیسروں کا تقرر بھی شریک ہو۔ جب لارڈ آکلنڈ نے ایک یا دو سال بعد کالج کا معائنہ فرمایا تو انھوں نے یہ محسوس کیا کہ اعلیٰ جماعت کے لیے اعلیٰ قسم کی تعلیم کا انتظام ہونا چاہیے۔ دیسی مدرسین کی تنخواہ بہت کم ہے یعنی دس روپے ماہانہ سے کچھ ہی زیادہ۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کم لیاقت لوگ رکھنے پڑتے ہیں۔ ان نقائص کی اصلاح اس وقت ہوئی جب سنہ ۱۸۴۰ء میں درس گاہ کی جدید تنظیم عمل میں آئی اور مدرسین کی تنخواہوں میں اضافہ کیا گیا۔

انگریزی شعبے کے ابتدائی زمانے میں ممتحنین کو اس امر کی بڑی شکایت تھی کہ طلبا زبان میں ناقص تھے۔ سنہ ۱۸۳۶ء میں ممتحن نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ بعض طلبا نے انگریزی زبان میں کافی لیاقت بہم پہنچانے سے قبل سائنس شروع کردی۔ اس کی رائے میں زبان کی تعلیم کی مدت بڑھا دی جائے اور اس کے

بعد سائنس وغیرہ شروع کرائی جائیں۔ چند سال بعد سرای ریل نے معائنے کے وقت یہ بیان کیا کہ سارے مدرسے میں شاید ہی کوئی لڑکا ہو جو انگریزی صحت اور اچھے تلفظ کے ساتھ پڑھ سکتا ہو، اگرچہ ان میں سے بعض بر نکلے کی ہیئت پڑھتے تھے۔

۱۸۳۹ء میں تعلیمی ترقی کے بہت اچھے آثار نظر آتے ہیں چنانچہ سالانہ امتحان میں ممتحنوں نے اعتراف کیا کہ طلبا کی لیاقت ریاضیات کی مختلف شاخوں میں بہت اچھی ہے اور ملٹن کی کتاب Paradise Lost سے جو اشعار تشریح کے لیے دیے گئے تھے ان کے معنی و مطالب خوبی سے بتائے اور سوالات کے جوابات بہت معقول دیے۔ مضامین اور ترجمے جو گورنمنٹ کی خدمت میں بھیجے گئے تھے، وہ پسند کیے گئے۔ ادنیٰ جماعتوں کی حالت بھی قابلِ اطمینان پائی گئی۔

مشرقی اور مغربی شعبوں کا انضمام

انگریزی اور مشرقی شعبے کسی کئی سال تک نصابِ تعلیم میں نیز تقریباً ہر پہلو سے ایک دوسرے سے جدا اور مختلف رہے۔ جب پرنسپل کا تقرر ہوا تو اس نے (مسٹر بتروس نے) اس امر کی ضرورت محسوس کی کہ دونوں شعبوں کی تعلیم کو ملا کر ایک کر دیا جائے اور اس تجویز کو عمل میں لانے کے لیے کامل کوشش کی جائے تاکہ بالآخران دونوں کی تعلیم اگر بالکل یکساں اور ایک نہ ہو سکے تو کم سے کم برابر ضرور ہو جائے۔

اس مقصد کے مدِنظر ۱۸۴۳ء میں دونوں شعبوں کا امتحان لیا گیا اور جہاں تک ممکن ہوا یہ امتحان ایک ہی مضامین میں لیا گیا اور ایک ہی سوالات دیے گئے۔ نتیجے میں مشرقی شعبہ کسی طرح مغربی شعبے سے کم نہ رہا۔ لفٹنٹ گورنر بہادر نے اس تجویز کو پسند فرمایا اور اس کے قائم رکھنے کی خواہش

ظاہر کی۔ نیز انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ دونوں شعبوں کو ایک ہی مکان میں ایک چھت کے نیچے تعلیم دینے سے اس تجویز کی کامیابی میں زیادہ سہولت پیدا ہوگی، علاوہ اس کے بعض اور وجوہ بھی ہیں جن کی بنا پر ان کا ایک جگہ رکھنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے چنانچہ دوسرے ہی سال یعنی ۱۸۴۳ء میں اس پر عمل درآمد شروع ہوگیا۔

دونوں شعبوں کی تعلیم کو ایک کر دینے کا مقصد یہ تھا کہ دونوں شعبوں میں تاریخی، اخلاقی اور سائنٹفک مضامین کی تعلیم یکساں طور پر دی جائے۔ ان مضامین کے ذیل میں حساب، جیومیٹری، الجبرا، نیچرل فلاسفی، جغرافیہ، تاریخ ہند، معاشیات (پولیٹیکل اکانومی) اور اصولِ قانون (جورس پروڈنس) کا خاص طور پر ذکر کیا گیا تھا۔ کالج کے پرنسپل مسٹر بتروس کا خیال تھا کہ ایسے مضامین اور علوم کی تعلیم سے جو دیسی مدارس میں عموماً نہیں پڑھائے جاتے، اس تعصب اور تنگ خیالی میں کمی پیدا ہوگئی ہے جو صرف عربی فارسی پڑھنے والوں میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جب موجودہ نسل کے اساتذہ رخصت ہو جائیں گے اور ان کے جانشین وہ ہوں گے جنھوں نے جدید طریقے پر تعلیم پائی ہے تو روشن خیالی میں اور بھی زیادہ ترقی ہو جائے گی۔

انگریزی اور مشرقی شعبوں کے نصابِ تعلیم کے یکساں کرنے کے ساتھ ساتھ ایک مبارک کام یہ ہوا کہ دیسی زبان (اُردو) کی تعلیم و تکمیل کی طرف بھی توجہ شروع ہوگئی۔ یہ غالباً لفٹنٹ گورنر بہادر کی اس رائے کا اثر معلوم ہوتا ہے جو انھوں نے صوبے کی تعلیمی رپوٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے ظاہر کی تھی کہ "دہلی میں بھی جہاں فصیح ترین زبان بولی جاتی ہے اور جسے ہر طبقے کے لوگ بولتے اور سمجھتے ہیں، طلبا کو فصیح زبان میں انشا پردازی یا بامحاورہ ترجمہ سکھانے میں کامیابی نہیں ہوئی۔ دوسری زبانوں سے اُردو میں ترجمہ کرتے وقت اکثر یہ ہوتا ہے کہ جملوں کی نحوی ساخت بدل دی جاتی ہے لیکن اصل

زبان کا اسلوب بیان اور طرزِ ادا جوں کا توں رہتا ہے"۔

سالانہ رپوٹوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دلّی میں انگریزی پڑھنے کا شوق دن بدن بڑھتا جاتا ہے۔ اس شوق کا پتا ۱۸۴۳ء کی رویداد سے لگتا ہے جب کہ انگریزی شعبے میں ۱۱۶ نئے طالبِ علم داخل ہوئے۔ ۱۸۴۵ء میں پرنسپل نے رپوٹ کی کہ ابتدائی جماعتوں میں طالبِ علموں کی تعداد اس قدر زیادہ ہوگئی ہے کہ عملے اور مکان میں اضافے کی ضرورت پڑے گی۔ لفٹنٹ گورنر بہادر نے جواب دیا کہ اگر تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ اس کی تعلیم آسانی سے ممکن نہیں تو داخلے میں کمی کرنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو داخلے کی فیس بڑھا دی جائے یا داخلے کا معیارِ لیاقت زیادہ کر دیا جائے۔ امیدواروں میں سے سب سے مستعد اور ہوشیار لڑکوں کے انتخاب کرنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ آیندہ امیدوار زیادہ تیاری کر کے آئیں گے اور ابتدائی جماعتیں خود بخود برخاست ہو جائیں گی۔

اب چونکہ دونوں شعبے ایک ہو گئے ہیں، اس لیے ان کا ذکر الگ الگ نہیں کیا جائے گا، دونوں ساتھ ساتھ آئیں گے۔ البتہ اس قدر ذکر کرنا مناسب معلوم ہوگا اور یہ دل چسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اس سال (۱۸۴۵ء) طالبِ علموں کی تعداد ۴۶۰ ہو گئی۔ انگریزی کے ۲۴۵، عربی کے ۷۵، فارسی کے ۱۰۹، سنسکرت کے ۳۱ طالبِ علم تھے۔ جن میں ۱۵ عیسائی، ۱۴۶ مسلمان اور ۲۹۹ ہندو تھے۔

اس سے ظاہر ہے کہ پرانی بدگمانی رفع ہو گئی تھی اور کالج رفتہ رفتہ مقبول ہوتا جاتا تھا۔ مسلمانوں کی تعداد اگرچہ بہت زیادہ نہ تھی تاہم کافی تھی۔

انگریزی شعبے کے ۲۴۰ طلبا میں سے سنسکرت کے تمام طلبا یعنی اکتیس ۳۱ کے اکتیس ۳۱ اُردو پڑھتے تھے، ناگری یا ہندی پڑھنے والے کل ۲۴ تھے۔

یہ تعداد خود اپنی زبان سے اُردو کا کلمہ پڑھ رہی ہے۔ یعنی ۶۰۴ میں سے
۱۸ ۴ اُردو پڑھنے والے تھے اور ہندی پڑھنے والے فقط ۴۲۔ اور یہ بھی
ہندی اس لیے پڑھتے تھے کہ بعض ان میں سے فوج میں منشی گری کی نوکری
کر لیتے تھے اور وہاں اس کی ضرورت پڑتی تھی۔

سنہ ۴۶-۱۸۴۵ء کی رپورٹ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ نصاب کی کتابوں
کا تعین گورنمنٹ کی منظوری سے ہوتا تھا لیکن کام کی مقدار کا تعین پرنسپل اور
مدرسین کے ہاتھ میں تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض طلبا جو غیر معمولی طور پر
ذہین اور محنتی ہوتے تھے وہ باقی طلبا سے آگے نکل جاتے تھے۔ مدرس
زیادہ تر ایسے ہی طلبا کی طرف توجہ کرتے تھے کیوں کہ ان کی وجہ سے ان کے
کام کی داد ملتی تھی۔ اس طرح ایک جماعت کے دو دو تین تین فریق ہو جاتے
تھے۔ سال کے آخر میں صرف ایک ہی فریق نصاب پورا کرتا تھا، باقی طلبا
کی تعلیم میں بہت کم ترقی ہوتی تھی۔ اس سے جماعت کی عام ترقی پر بُرا اثر
پڑتا تھا۔ لہٰذا کمیٹی نے یہ تجویز کی کہ ہر سال کے شروع میں جماعت کا سال
بھر کا کام پہلے سے مقرر کر دیا جائے اور پھر اسے بارہ مہینوں میں تقسیم کیا
جائے اور ماہانہ امتحانات میں دیکھ لیا جائے کہ اس مہینے میں جو سبق پڑھائے
گئے ہیں وہ طلبا نے بخوبی سمجھ لیے ہیں یا نہیں۔ سال کے آخر میں اُسی مدرس
کا کام سب سے بہتر سمجھا جائے گا جس کے طالبِ علم زیادہ سے زیادہ تعداد
میں کامیاب ہوں گے۔ جو طالب علم زیادہ ذہین اور محنتی ہیں وہ اپنا وقت
اپنے ذوق کے مطابق دوسرے مضامین کے مطالعے میں صرف کریں اور
جو طالب علم باقی جماعت کے ساتھ نہیں چل سکتے وہ آیندہ سال نیچے کی
جماعت کے ساتھ اسی نصاب کو پھر پڑھیں۔

یہ تجویز بہت مناسب اور معقول خیال کی گئی اور کمیٹی نے خود یہ پیش کی تھی کہ آیندہ امتحان کے بعد جہاں تک جلد ممکن ہو، تجویزِ بالا کے مطابق ایک گوشوارہ ہر جماعت کی تعلیم کا تیار کر کے پیش کیا جائے تاکہ وہ گورنمنٹ میں بغرضِ اطلاع بھیج دیا جائے۔

اس سال میقات ختم ہونے پر ۲۶ دسمبر ۱۸۴۶ء کو تقسیم انعامات کا جلسہ ہوا۔ سب جماعتوں کے امتحان کے لیے "تاریخ" انگریزی، عربی، سنسکرت کے سوالات کے پرچے گورنمنٹ کی جانب سے وصول ہوئے اور قانون، سیاستِ مدن (معاشیات) نیچرل فلاسفی Smith's Moral Sentiments کے سوالات اور انشا پردازی کا پرچہ کالج ہی میں مرتّب کیا گیا۔

ریاضی، طبیعیات، نیچرل تھیالوجی اور سیاستِ مدن کے سوالات کے پرچے انگریزی اور مشرقی شعبے کے لیے ایک ہی تجویز کیے گئے تاکہ دونوں شعبوں کی استعداد کا مقابلہ کیا جا سکے۔ مضمون نگاری کا موضوع بھی دونوں کے لیے ایک ہی رکھا گیا، جو یہ تھا:

"بالائی (شمالی) ہندستان پر ریلوں کے جاری ہونے سے
کیا اخلاقی اثر پڑے گا"

تاریخ کے سوالات جدا جدا تھے، کیونکہ مشرقی شعبے میں بہ مقابلے انگریزی شعبے کے اس مضمون کی تعلیم کم ہوئی تھی۔ جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ تاریخ کی کتابوں کے ترجمے مہیا نہیں ہو سکے تھے۔ تاہم دونوں شعبوں کے طلبا کے جوابات بہت قابلِ اطمینان پائے گئے۔

ادنیٰ جماعتوں کا امتحان ڈاکٹر راس نے لیا اور طلبا کی استعداد ترقی پر اظہارِ مسرّت کیا اور خصوصاً مبتدیوں کے عمدہ تلفظ کو بہت پسند کیا۔

سالانہ امتحان کے موقع پر دہلی اور قرب وجوار کے فارسی طلبا کو ادبی وظائف کے مقابلے کی دعوت دی گئی۔ باہر سے ۲۰ طالب علم شریک ہوئے جن میں سے سات نے چار چار روپے ماہانہ کا وظیفہ حاصل کیا۔

پرنسپل صاحب (ڈاکٹر سپرنگر) نے اپنی رپوٹ میں بڑے پتے کی بات لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "فارسی جماعتوں کی تعلیم ناقص ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مولوی صاحب (مدرسین فارسی) پُر تکلّف یعنی مُسجّع مُقفّیٰ طرزِ تحریر کے دل دادہ ہیں اور متاخّرین کے کلام کو پسند کرتے ہیں"۔

سنسکرت کے شعبے کی حالت خراب پائی گئی جس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ پنڈت صاحبوں پر پوری نگرانی نہیں رکھی جاتی۔ البتہ جب پرنسپل صاحب سنسکرت سے زیادہ واقف ہو جائیں گے تو اس شعبے میں ضرور ترقی ہوگی۔

ہندی کی تعلیم بھی اچھی نہیں تھی۔ دونوں استادوں نے ہندی خود ہی محنت سے پڑھی ہے اور باوجود مقدور بھر کوشش کے ان میں معلم ہونے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوئی۔

شعبۂ مشرقی کے طلبا انشا پردازی میں خاص طور پر ناقص پائے گئے۔ اس کے متعلق ڈاکٹر سپرنگر نے مفصلۂ ذیل رائے کا اظہار کیا:۔

"مولوی صاحب جو اپنے شاگردوں سے فارسی اور عربی سے اُردو میں ترجمہ کراتے ہیں وہ اس قدر لفظی ہوتا ہے کہ میں نے اکثر یہ دیکھا ہے کہ اگرچہ طالبِ علم استاد کی منشا کے مطابق ترجمہ کر لیتا ہے لیکن اَصل مفہوم سے ناآشنا رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مولویوں اور ان کے شاگردوں کا طرزِ تحریر بھدّا اور زبان بے مزہ اور غلط ہوتی ہے۔ اُن کے خیالات ملّایانہ طرزِ تعلیم کی وجہ سے نہایت محدود ہوتے ہیں۔ میری رائے میں مشرقی

شعبے کے تمام نقائص میں سے سب سے پہلے اس کی اصلاح ہونی چاہیے اور مجھے یقین ہے کہ اس کے بعد دوسرے ہی امتحان میں ترقی نظر آئے گی۔"

دہلی کے شُرفا اور اُمرا میں زیادہ تر تعداد مسلمانوں کی تھی۔ ڈاکٹر سپرنگر چونکہ عربی زبان سے واقف تھے اس لیے انھوں نے وہاں کے شُرفا میں خاصی مقبولیت حاصل کرلی تھی۔

کالج کے مشرقی شعبے کے طلبا میں جو یورپین ادب و علوم کا ذوق پیدا ہوگیا تھا وہ برابر جاری رہا۔ اس میں دہلی ورنیکلر سوسائٹی کی کوششوں نے بہت مدد دی اور اس سوسائٹی کے روحِ رواں ڈاکٹر صاحب ہی تھے۔

۱۸۴۷ء کا امتحان اس سال کے آخر اکتوبر میں شروع ہوا اور ۲۴ دسمبر تک رہا اور مباحثات ۲۶ دسمبر ۱۸۴۷ء کو ختم ہوگئے۔

اس سال بھی یہ اہم اصول مدِ نظر رہا کہ مشرقی شعبوں کے درجوں کو مغربی علوم کی مبادیات کی تعلیم دی جائے۔ کمیٹی نے اس امتحان کا جو گوشوارہ تیار کیا تھا اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امتحان کے مضامین دونوں شعبوں میں تقریباً یکساں تھے۔ مثلاً احصائے تفرقات (Differential Calculus) علمِ مُثلّث (Trignomethy) اقلیدس، نیچرل فلاسفی، الجبرا، جغرافیہ، مضمون نویسی یہ سب مضامین دونوں کے ہاں تھے۔ البتہ تاریخ کے مضمون میں کچھ فرق تھا۔ انگریزی شعبے میں مارشمین، ہیوم، گبن وغیرہ کی تاریخیں تھیں اور مشرقی شعبے میں مختصر خاکہ تاریخ اور جامع التواریخ تھی۔ وجہ یہ تھی کہ انگریزی تاریخیں جو انگریزی شعبے میں پڑھائی جاتی تھیں ان کا ترجمہ اُردو میں موجود نہ تھا اور یہ مجبوری تھی۔

امتحان کے نتائج دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں شعبوں کی کامیابی قریب قریب یکساں ہے۔

عربی اور فارسی شعبوں کی مجوزہ اصلاح

کمیٹی نے بہ نظرِ اصلاح یہ تجویز کی کہ عربی اور فارسی شعبوں میں صرف مفید اور کار آمد علوم کا درس دیا جائے اور عربی صرف و نحو، منطق، فقہ اور حدیث وغیرہ کی اعلیٰ کتابیں نصاب وغیرہ میں نہ شریک کی جائیں بلکہ ان کی تعلیم عام لکچروں کے ذریعے دی جائے۔ اس کے متعلق کمیٹی کو اطلاع دی گئی کہ کمیٹی نصابِ تعلیم میں اس قسم کے تغیر و تبدل کی مجاز ہے جس سے طلبا کی دماغی ترقی منصور ہو۔ اگر ضرورت ہو تو وہ ایسے اصحاب کو بلا معاوضہ لکچر دینے کی اجازت دے سکتی ہے جو اس کام کے اہل ہوں، گورنمنٹ کو بھی ان اشخاص کے تقرر میں کوئی عذر نہ ہوگا۔

سنسکرت اور ہندی کے شعبے

جب کمیٹی کی توجہ اس طرف منعطف کی گئی کہ سنسکرت اور ہندی شعبوں میں کسی قسم کی کوئی ترقی نظر نہیں آتی تو کمیٹی نے یہ تجویز کی کہ سنسکرت کی جماعت توڑ دی جائے اور ہندی کے شعبے کو زیادہ کار آمد اور بہتر بنایا جائے۔ ہندی زبان تمام طلبا کے لیے لازمی کر دی جائے اور وظیفے کے لیے ہندی کا جاننا لازم قرار دیا جائے۔ لفٹنٹ گورنر بہادر نے اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا اور یہ لکھا کہ سنسکرت کی جماعتوں کا برخاست کرنا اہلِ ملک اور طلبا کو ملک کی ایک قدیم اور علمی زبان کے علم سے محروم رکھنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ ہندی کے متعلق یہ لکھا کہ ایک

ایسی زبان کا علم تمام طلبا کے لیے لازم قرار دینا جو ملک کی سرکاری اور دفتری زبان نہیں ہو، ہماری رائے میں درست نہیں۔ علاوہ اس کے مسلمان طلبا جن کی تعداد اس کالج میں بہت بڑی ہو اسے اچھی نظر سے نہیں دیکھیں گے۔

انگریزی شعبے کی ترقی

دو سال قبل انگریزی شعبے کے صرف چھ طالب علم ایسے تھے جو امتحان میں سوالات کے جوابات انگریزی میں لکھنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اس سال ۵۲ نے تاریخ کے سوالات کے جوابات انگریزی میں لکھے، اور ۵۴ طالب علموں نے (علاوہ درجۂ اوّل کے طلبا کے) جیومیٹری (علم ہندسہ) کا مطالعہ شروع کیا۔ اور ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کی تعلیم چار سال سے اوپر کی ہو۔ لہٰذا کمیٹی نے یہ رائے ظاہر کی کہ صرف چند منتخب طلبا پر خاص توجہ مبذول نہیں کرنی چاہیے بلکہ عام طور پر ترقی کا خیال رکھنا چاہیے۔

۱۸۴۸ء کا امتحان

۱۸۴۸ء کا امتحان ۲۴ نومبر سے ۲۱ دسمبر تک یعنی ۲۱ دن تک رہا۔ (باستثنائے ایام تعطیلات)

ریاضیات اور تاریخ کے پرچے گورمنٹ نے مرتب کرا کر بھیجے، باقی پرچے کالج کے مدرسین نے تیار کیے۔ باقی جماعتوں کا امتحان اُردو کے مولوی مملوک علی صاحب نے اور انگریزی کا قائم مقام پرنسپل نے لیا۔

مسعودی، تاریخِ یمینی، قدوری، میر قطبی، حماسہ، حسینی کے پرچے

گورمنٹ نے بھیجے اور سنی اور شیعہ طلبا کی اعلیٰ جماعتوں کو دیے گئے۔ ان کے تحریری جواب مفتی صدرالدین صاحب نے معائنہ کیے۔ عربی کی باقی جماعتوں کا امتحان بھی مفتی صاحب ہی نے لیا۔ عربی جماعتوں کے پرچے ڈاکٹر سپرنگر نے بھی دیکھے۔ فارسی جماعتوں کا امتحان بھی مفتی صاحب ہی نے لیا۔ ان کی رائے میں ان جماعتوں کے طلبا کی قابلیت نہایت عمدہ تھی۔ تاریخ اور سائنس وغیرہ کا امتحان، جن کی تعلیم اردو میں ہوتی تھی، تحریری ہوا اور جوابات قائم مقام پرنسپل نے ماسٹر رام چندر اور اجودھیا پرشاد (مدرسینِ سائنس) کی معیت میں دیکھے۔

مضمون نویسی کے لیے عنوان مسٹر کوپ نے دیا تھا اور یہ مضمون انگریزی کی دو اعلیٰ جماعتوں اور مشرقی شعبے کی چار جماعتوں کے طلبا کو لکھنے کے لیے دیا گیا۔ انگریزی میں موتی لال کا مضمون بہ لحاظِ زبان اور بہ لحاظ طریقۂ بیان سب سے بڑھ کر رہا۔ مشرقی شعبے کے طلبا میں محمد حسین[1] کا مضمون سب سے بہتر خیال کیا گیا۔ بہت سی معلومات اس مضمون میں ایسی کتابوں سے حاصل کی گئی تھیں جو نصابِ تعلیم میں شریک نہ تھیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس طالبِ علم کا تعلق دہلی گزٹ یا دہلی اردو اخبار سے تھا اور اس لیے اُسے اردو اخبارات کے پڑھنے کی عادت تھی اور ان سے اس نے بہت سی مفید معلومات بہم پہنچائی تھیں۔ اس لیے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض اردو اخبار ہندستان میں صحیح اور مفید معلومات کی اشاعت میں بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔

ہندی | اگرچہ ہندی کی تعلیم لازمی نہ تھی لیکن اس کی طرف ہر سال

[1] شمس العلما محمد حسین آزاد ہیں۔

زیادہ توجہ ہوتی جاتی تھی۔ عربی کے ۸۲ اور انگریزی کے ۶۵ طلبا بیتال پچیسی پڑھ سکتے تھے اور ۱۹ پریم ساگر۔ اور بہت سے ناگری خط میں لکھ سکتے تھے۔

تمغہ یاب اس سال انگریزی جماعت میں مسٹر گوپال سہائے کو برنکلے کی کتاب ہیئت کے بہترین جوابات دینے پر چاندی کا تمغہ عنایت ہوا جو سرٹی۔ مٹکاف نے کمیٹی کو اسی غرض سے دیا تھا۔ انھوں نے الفسٹن کی تاریخ ہند کے لئے بھی ایک تمغہ تجویز کیا تھا وہ کوئی حاصل نہ کر سکا۔

سنہ ۵۰-۱۸۴۹ء اس سال ۸۷ طلبا فارغ التحصیل ہوئے جن میں سے پانچ رڑکی کالج کی جماعتِ سوم میں گئے اور دس نے ملازمت حاصل کی۔

سالانہ مضمون نویسی کے لیے مسٹر جے گبنز نے ذیل کا مضمون تجویز کیا:۔

"اسلامی اور انگریزی حکومتوں کے تحت آزادیٔ رعایا کے بارے میں کیا فرق تھا"

اس مضمون کے جوابی پرچوں میں تاریخی اور عام معلومات اچھی خاصی پائی گئیں اور لکھنے والے قومی تعصبات سے بری تھے۔ موتی لال کا مضمون انگریزی میں اور محمد حسین کا اردو میں سب سے بہتر خیال کیا گیا۔ موتی لال نے اس کے علاوہ مضمون نویسی کے دو تمغے بھی حاصل کیے، ایک نقرئی تمغہ انگریزی مضمون کا تاریخِ برطانیۂ ہند پر، یہ سرٹی، مٹکاف کا عطا کردہ تھا۔ دوسرا طلائی تمغہ جو اردو مضمون کے لیے سر ہربرٹ

میڈوک نے عطا کیا تھا۔ یہ مضمون دونوں شعبوں کے طلبا کے لیے تھا۔ مضمون کا عنوان یہ تھا :۔

"مختلف آزاد پیشے اور مفید کاروبار جو ہندستانی دیسی ریاستوں میں پائے جاتے ہیں اور ہر ایک میں کامیابی کے بہترین طریقے : خواہ ابتدائی تربیت کے لحاظ سے یا مابعد کی ساعی کے اعتبار سے :"

موتی لال اس کے بعد لاہور کے بورڈ آف ایڈمنسٹریشن میں ایک سو پچاس روپے ماہانہ پر ملازم ہو گئے۔

کالج کی حالت اب بہت درست ہوگئی تھی اور ہر طرف سے اطمینان حاصل ہوگیا تھا اور زیادہ توجہ اب نصابِ تعلیم کی اصلاح کی طرف ہوگئی تھی ۱۸۵۳ء میں طلبا کی تعداد یہ تھی :۔

انگریزی	۱۹۹	
عربی	۳۹	جملہ
فارسی	۵۷	۳۲۰
سنسکرت	۲۵	

عیسائی	۱۰	
مسلمان	۹۳	۳۲۰
ہندو	۲۱۷	

انگریزی شعبے کے سب کے سب یعنی ۱۹۹ طالبِ علم اور سنسکرت شعبے کے بھی کل طالبِ علم یعنی پچیس کے پچیس اُردو پڑھتے تھے۔ فارسی عربی والوں کو تو یوں بھی پڑھنی ہی پڑتی تھی۔

فارسی شعبے میں سے ۲، انگریزی اور فارسی عربی کے ۴، ناگری اور انگریزی شعبے کے ۸ فارسی پڑھتے تھے۔

ماسٹر رام چندر اور چمن لال کے عیسائی ہونے سے شہر میں ہیجان

اس سال ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے کالج کو کسی قدر دھچکا لگا۔ وہ یہ تھا کہ ماسٹر رام چندر جو اُردو میں سائنس پڑھاتے تھے اور لالہ چمن لال فرسٹ سب اسسٹنٹ سرجن دہلی دونوں کے دونوں عیسائی ہو گئے۔ اس سے دلّی کی مخلوق بہت بگڑی اور شہر میں بڑا غلغلہ پیدا ہوا۔ ایسا سننے میں آیا ہے کہ بعض اور طالب علم عیسائی ہونے پر تُلے ہوئے تھے لیکن دلّی والوں کے ڈر سے رہ گئے۔ لیکن تارا چند نے بعد میں عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ جو ریورنڈ تارا چند کے نام سے مشہور ہوئے اور چند سال کا عرصہ ہوا اجمیر میں انتقال کر گئے۔ ۱۱ جولائی کو ماسٹر رام چندر اور چمن لال نے بپتسمہ لیا۔ ۱۰ جولائی تک کالج میں داخلہ برابر ہوتا رہا اور طلبا کی تعداد ۳۴۲ تھی لیکن اس خبر کے اُڑتے ہی دفعتاً داخلہ بند ہو گیا اور چوبیس پچیس لڑکوں نے فوراً اپنے نام کٹوا لیے۔ لیکن جنوری ۱۸۵۳ء میں لوگوں کا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا اور پھر لڑکے داخل ہونے شروع ہو گئے۔

مسٹر کارگل پرنسپل کالج نے مشرقی شعبے کے نصابِ تعلیم کے متعلق ایک تجویز گورنمنٹ میں پیش کی۔ وہ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں جدید تعلیم کی طرف سے جو بدگمانی اور تعصب تھا وہ اب کم ہوتا جا رہا ہے اور "اب وہ سمجھ گئے ہیں کہ تاریخ اور نیچرل سائنس کی تعلیم منطق، فقہ اور تفسیر کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے۔ منطق و فقہ

وتفسیر کا پڑھنا نہایت ضروری ہو تاکہ طلبا عربی اور فارسی زبانوں سے
بخوبی واقف ہو جائیں۔ کیونکہ تاریخ اور نیچرل سائنس پر کافی کتابیں
نہیں ہیں جن کے مطالعے سے ان زبانوں کا علم حاصل ہو سکے۔ لیکن
اس میں شک نہیں کہ اگر اس قسم کی کتابیں مہیا ہو جائیں تو منطق و
فقہ کی کتابیں پڑھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، لہذا گورمنٹ کی توجہ
اس جانب مبذول کی جاتی ہو کہ کالجوں میں عربی اور فارسی کی تاریخوں
کے بہت اچھے کتب خانے قائم کیے جائیں۔ ایسی منطق پر زیادہ تر توجہ
صرف کرنا جس میں نہ فلسفہ ہو نہ عقلیت بے سود ہو۔ اب رہی فقہ
سو اس کا بالکل خارج کر دینا خلافِ دانش مندی ہوگا۔ عربی کے علما
ایک معقول اور مختصر نصابِ تعلیم اس مضمون کا انتخاب کر کے مرتب
کر سکتے ہیں۔ ریاضیات اور نیچرل سائنس کے متعلق میری یہ رائے
ہو کہ جب انگریزی کا نصاب قطعی طور سے متعین ہو جائے تو اس کا
اُردو میں ترجمہ کر کے مشرقی شعبے کے لیے مقرر کر دیا جائے۔ ایسے
نصاب کی سخت ضرورت ہو۔ گزشتہ تجربہ اس کا شاہد ہو کہ ایسی
کتابوں کے ترجمے اور طبع پر وقت اور روپیہ صرف کرنا جو کبھی پڑھنے
میں نہ آئیں گی، بے کار ہو۔ مشرقی شعبے کا طالبِ علم سائنس کی تعلیم
میں آگے بڑھ رہا ہو اور کسی طرح اپنے حریف یعنی انگریزی شعبے
کے طالبِ علم سے پیچھے نہیں ہو، لیکن اندیشہ یہ ہو کہ مناسب کتابوں
کے نہ ہونے سے وہ بخوبی اس علم کو حاصل نہیں کر سکتا جو کتابوں
کے موجود ہونے سے کر سکتا تھا۔ حال ہی میں کالج کا معائنہ بعض
نہایت قابل فوجی افسروں اور مشنریوں نے کیا جو معاملاتِ تعلیم سے

بخوبی واقف تھے۔ انھوں نے مشرقی شعبے کے طلبا کا امتحان لیا اور
ان سے علمِ ہئیت، جنرل سائنس، اور اخلاق اور مذہبی مسائل پر
گفتگو کی۔ ان سب کا یہ بیان ہر کہ اس شعبے میں قطعی طور سے بہت
بڑی ترقی پائی جاتی ہر اور مختصر یہ کہ تمام ہندستان میں کسی جگہ ترقی
کے ایسے آثار نظر نہیں آتے۔"

اس پر لفٹنٹ گورنر بہادر نے جو جواب دیا اس کا خلاصہ یہ ہر:
"لفٹنٹ گورنر، پرنسپل صاحب کی رائے سے اتفاق کرتے ہیں۔ اسلامی
فقہ، مذہب اور منطق کی تعلیم اسی حد تک ہونی چاہیے جہاں تک ان کے
مطالعے سے زبان اور اصولِ فقہ کے علم حاصل ہونے میں مدد ملے ان
خاص اور رسمی علوم کے مطالعے میں زیادہ وقت صرف کرنا مناسب نہیں
معلوم ہوتا۔ عربی ادب سے ایسے مفید انتخابات جو مستند اور اعلیٰ درجے
کی کتابوں سے کیے جائیں گے کالجوں میں جاری کرنے سے موجودہ نظامِ
تعلیم کی خرابیاں بہت کچھ کم ہو جائیں گی۔ ایسے انتخاب کی ترتیب کے لیے
دہلی کمیٹی کے پاس خاص سہولتیں موجود ہیں اور اگر وہ اس معاملے میں
کوشش کرے گی تو ہز آنر اسے بہ نظرِ تحسین دیکھیں گے۔ مشرقی شعبے کے
طلبا کی سائنس کی ترقی کے متعلق جو یقین دلایا گیا ہر اس پر بے حد مسرت کا
اظہار فرمایا۔ اور آخر میں یہ تحریر فرمایا کہ لفٹنٹ گورنر کی خوشی کا موجب ہوگا
اگر کمیٹی اُردو تعلیم کے ایسے نصاب کے انتخاب کا اہتمام کرے گی جس کی
سفارش سکرٹری نے کی ہر۔"

۱۸۵۴ء وہ طوفان جو ماسٹر رام چندر اور ڈاکٹر چمن لال کے تبدیلِ
مذہب پر اٹھا تھا، بالکل فرو ہو گیا اور طلبا کی تعداد میں

سی قدر اضافہ ہوا ۱۸۵۳ء میں تعداد ۳۱۵ تھی، اس سال ۳۳۳ ہو گئی۔

مسلمان طلبا میں انگریزی زبان سیکھنے کا شوق بڑھتا جاتا تھا اور گورنمنٹ نے بھی لوکل کمیٹی کے یہ امر ذہن نشین کرنے کی کوشش کی کہ گورنمنٹ کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ مشرقی شعبے کے تمام طلبا انگریزی پڑھنے پر مجبور کیے جائیں، لیکن اس کی یہ آرزو ضرور ہے کہ اگر انگریزی زبان نہ سیکھیں تو کم از کم مغربی سائنس ہی کی تعلیم اپنی مادری زبان میں حاصل کریں، کیونکہ تجربے نے ثابت کر دیا ہے کہ اس طریقے سے بھی نہایت مفید اور کارآمد معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔

تعداد طلبا بحیثیت تعلیم زبان

صرف انگریزی پڑھنے والے	۱۹
انگریزی اور اُردو پڑھنے والے	۱۹۲
انگریزی اُردو اور فارسی مل کر پڑھنے والے	۱
صرف اُردو پڑھنے والے	۰
اُردو کے ساتھ فارسی اور عربی پڑھنے والے	۹۵
اُردو کے ساتھ ہندی یا سنسکرت پڑھنے والے	۲۷
محض ہندی پڑھنے والے	۰
ہندی اور سنسکرت پڑھنے والے	۰
ہندی فارسی اور عربی پڑھنے والے	۹۵
محض فارسی پڑھنے والے	۵۷
محض عربی پڑھنے والے	۳۸
محض سنسکرت پڑھنے والے	۲۷

عربی فارسی کے تمام متعلمین ہندی پڑھتے تھے اس میں مصلحت یہ تھی

کہ ان زبانوں کے طلبا عموماً اعلیٰ قابلیت کے ہوتے ہیں اور جب وہ دیہات میں جاتے تھے تو گانْو والوں سے معاملہ کرنے میں یہ زبان کار آمد ثابت ہوتی تھی۔ سنسکرت پڑھنے والے بلا استثنا اُردو پڑھتے تھے۔ ان کے لیے ہندی کا پڑھنا ضروری نہیں تھا اس لیے کہ سنسکرت اور اُردو کا طالبِ علم ہندی زبان لازمی طور پر سمجھتا ہے۔

تعداد طلبا بہ لحاظِ مذہب

عیسائی	۱۵	
مسلمان	۱۱۲	جملہ ۳۳۳
ہندو	۲۰۶	

اس سال مسلمان طلبا کی تعداد میں بیّن اضافہ ہوا اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ اس سال زبانِ اُردو کی تعلیم پر خاص زور دیا گیا تھا، اس لیے مسلمان زیادہ داخل ہوئے اور ان میں سے نصف تعداد نے انگریزی بھی سیکھنی شروع کردی تھی۔ اس پر انگریزوں میں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ مسٹر کارگل نے جو کہا تھا کہ مسلمانوں میں سے تعصب اٹھتا جاتا ہے وہ بات سچ نکلی۔

اس سال انگریزی سے اُردو میں ترجمے کی خاص مشق کرائی گئی۔ اس کام کے لیے ڈیڑھ گھنٹہ روزانہ وقف کردیا گیا تھا۔ بہت سے طالبِ علم ایسے تھے جن کے پاس الفاظ کا ذخیرہ تو کافی تھا لیکن وہ آسانی سے صحیح ترجمہ کرنے سے قاصر تھے۔ فارسی زبان کے اساتذہ سینیر یا اعلیٰ جماعتوں کو اُردو پڑھاتے تھے۔

انگریزی اور اُردو میں مضمون نویسی کے لیے تمغے

مٹکاف صاحب مر گئے تھے، اس لیے کالج فنڈ سے ہر سال بیس رُپے کا تمغہ تیار کرایا جاتا تھا اور انگریزی میں

سب سے بہتر مضمون لکھنے والے کو ملتا تھا۔ اس سال یہ تمغہ بھگوان داس کو ملا۔

مفتی صدر الدین صاحب کا تمغہ اُردو زبان میں بہترین مضمون لکھنے والے کو دیا جاتا تھا وہ خواجہ ضیاء الدین کو ملا۔ مضمون کا عنوان یہ تھا:۔

"شاہی اور مخلوط قسم کی حکومت میں کون سی بہتر ہے اور اس کی فضیلت کی کیا وجہ ہے؟"

مسٹر وہرٹر نے ایک نقرئی تمغہ میکینکس کے لیے دیا۔ مضمون اُردو میں لکھوایا گیا۔ شیخ ضیاء الدین کو ملا۔

نیچرل فلاسفی پر اُردو میں لکچر

ڈاکٹر میواٹ نے ہز آنر کو لکھا تھا کہ اُردو کے شعبۂ سائنس میں ریاضی ہی پر تمام کوشش نہیں صرف ہونی چاہیے بلکہ نیچرل فلاسفی اور مخلوط ریاضی پر بھی اُردو زبان میں لکچر دینے چاہییں۔ ہز آنر نے اس تجویز کو بہت پسند کیا اور بیان کیا کہ بنارس اور آگرہ کے کالجوں میں اس طریقے سے بے حد فائدہ پہنچایا جا رہا ہے، یہی التزام دلّی میں بھی ہونا چاہیے۔ کلکتہ سے جو آلات منگائے گئے ہیں ان سے کام لیا جائے۔ چنانچہ اس کی تعمیل کی گئی۔ تقریباً چھ سو رُپے کے آلات کلکتہ سے آئے تھے۔ ماسٹر رام چندر سائنس کی تعلیم اُردو زبان میں دیتے تھے۔

سنہ ۱۸۵۴ء اور ناظمِ تعلیمات کا تقرر

سنہ ۱۸۵۴ء تک ممالکِ مغربی شمالی میں محکمۂ تعلیمات کا کوئی ناظم نہ تھا۔ یہ محکمہ براہِ راست لفٹنٹ گورنر کے ماتحت تھا۔ ٹامسن صاحب گورنر ممالکِ مغربی شمالی تھے اور وہی اس صوبے کے تمام کالجوں کے

وزیر تھے۔ اس وقت صوبے میں تین کالج تھے۔ دلی، آگرہ اور بنارس۔ بعد میں ایک کالج بریلی میں قائم کیا گیا۔

کالجوں کے قیام کا منشا

کالجوں کے قیام کا منشا یہ تھا کہ ہندستانیوں کو زبان اُردو کے ذریعے ادب اور سائنس کی تعلیم دی جائے۔ اس مقصد میں حکومت کو ایک گونہ کامیابی ہوئی۔ اس سال کالجوں میں جدید قواعد و ضوابط کا نفاذ ہوا۔ اس کا نتیجہ طلبا کے حق میں اچھا نکلا اور یہ سال تمام کالجوں میں سال ہائے ماسبق کے مقابلے میں مسعود ثابت ہوا۔ سوائے دلی کے باقی تمام کالجوں میں مسلمان طالب علموں کی تعداد میں خاصا اضافہ ہوا۔ دہلی میں مسلمان طلبا کی کمی کی یہ وجہ بیان کی گئی کہ چھ مسلمان طالب علم جو عربی فارسی کی اعلیٰ جماعتوں میں تعلیم پاتے تھے، ناظم صاحب تعلیمات نے ڈپٹی کمشنر جہلم کی درخواست پر فارسی اور اُردو کے مدرسین کی حیثیت سے ضلع جہلم کے مدارس میں بھیج دیے۔ اسی طرح اور طلبا نے بھی ملازمتیں اختیار کر لیں۔ البتہ دوسرے کالجوں میں مسلمان طلبا کی تعداد میں نسبتاً ترقی نظر آتی ہے خصوصاً بریلی کالج میں۔ مسلمانوں کے لیے بڑی کشش شعبۂ علوم مشرقیہ میں تھی۔ ان تمام کالجوں میں مسلمان ۳۵۴ اور ہندو ۱۵۱۹ تھے۔ مسٹر ٹیلر پرنسپل دہلی کالج جن کا تعلق اس کالج سے عرصۂ دراز سے تھا اور اس کی حالت سے خوب واقف تھے، ان کا بیان ہے کہ دہلی کالج میں مسلمان طلبا کی کمی کا ایک باعث یہ تھا کہ شہر میں متعدد فارسی اور عربی درس گاہیں کھل گئی تھیں اور عربی فارسی پڑھنے والے طلبا ان قومی درس گاہوں میں بٹ گئے تھے۔ کالج کی عربی جماعت میں انیس[19] کے انیس طالب علم مسلمان تھے۔ فارسی کی

جماعتوں میں ۲۵ اور انگریزی میں ۲۱۔ اس کے باوجود فارسی زبان تحصیل کرنے والے طلبا میں ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں سے کہیں زیادہ تھی۔

شہر میں ایک فارسی اُردو کا مدرسہ تھا اس کے مدرس مسلمان تھے۔ ۱۰۴ طلبا اس میں تعلیم پاتے تھے، ان میں سنّو ہندو تھے اور چار مسلمان۔ اس سے صاف ظاہر ہو کہ اس زمانے میں ہندوؤں کو فارسی پڑھنے کا کس قدر شوق تھا اور دوسری بات یہ تھی کہ مسلمانوں کے مدرسے میں غیر مسلم طلبا کے لیے کوئی روک ٹوک نہ تھی۔

مسٹر ٹیلر نے ایک اور بات بھی لکھی ہو وہ کہتے ہیں کہ مسلمان شُرفا، نواب اور سلاطین، دلّی کالج کو ایک خیراتی درس گاہ تصوّر کرتے تھے اور اس بنا پر اپنے بچّوں کو وہاں تعلیم کی غرض سے نہیں بیٹھتے تھے۔ لہذا انھوں نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ استادوں کو ملازم رکھ کر اپنے بچّوں کو گھروں پر تعلیم دلاتے تھے لیکن اس کے برعکس ہندو مال دار سے مال دار اور عزّت دار سے عزّت دار، دلّی کالج کو تمام خانگی درس گاہوں پر ترجیح دیتا تھا اور اپنے بچّے کو وہاں تعلیم دلانا پسند کرتا تھا اس وجہ سے ہر شعبے میں ہندو طلبا کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ رہتی تھی۔

عیسائیوں کی تعداد تمام کالجوں میں گھٹتی جاتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے اپنے مدارس جہاں صرف انگریزی اور یورپ کی دوسری زبانوں کی تعلیم ہوتی تھی، الگ کھول لیے تھے۔ آگرہ میں اس قسم کا مدرسہ قائم ہوگیا تھا۔

اصولِ تعلیم کا تعیّن

تعلیم کا اصول یہ رکھا گیا تھا کہ گورمنٹ کالجوں میں آیندہ ایسے مضامین کی تعلیم دی جائے جو دیسی

مدارس میں میسر نہ آسکے اور ہندستانیوں کو اس کے حاصل کرنے کی ترغیب دی جائے۔ ناظم سررشتۂ تعلیماتِ ممالکِ مغربی شمالی نے لفٹنٹ گورنر سے اس پر عمل درآمد کی شد و مد سے التجا کی تھی اور اس غلطی پر متنبہ کیا تھا کہ بعض طالبِ علم محض اس خیال سے کالجوں میں داخل ہو جاتے ہیں کہ وہاں تعلیم کا نرخ ارزاں ہے اور تعلیم بھی کون سی جو کالج کے باہر بھی میسر آسکتی ہے۔ لہٰذا انھوں نے استدعا کی کہ ایسے طلبا کو داخل ہی نہ کیا جائے (دراصل دہلی کالج میں یہ صورت پیش آئی تھی، بنارس کالج اس سے مستثنیٰ تھا) ناظمِ تعلیمات نے اس بات کی سفارش کی تھی کہ طلبا کی دماغی اور ذہنی قوتوں کو علم کے ایسے شعبوں پر مرکوز کرایا جائے جو سب سے زیادہ کارآمد اور اہم ہیں۔ موجودہ طرزِ تعلیم سے اساتذہ اور طلبا دونوں کی جان ضیق میں آجاتی ہے، ان کے سامنے اتنے مضامین گڈ مڈ کرکے رکھ دیے جاتے ہیں جن کا بار اٹھائے نہیں اُٹھتا اور غریب طلبا کی راہِ ترقی سنگلاخ ہو جاتی ہے۔ لہٰذا یہ تجویز کی جاتی ہے کہ کوئی لڑکا دو زبانوں سے زیادہ نہ سیکھے۔ ہر ایسا طالبِ علم جو انگریزی پڑھتا ہے صرف اُردو لازمی طور پر پڑھے اور ناگری حروف سے بخوبی شناسا ہو جائے تاکہ انھیں کامل صحت اور پوری آسانی سے بے روک ٹوک اور بے جھجک اٹھالے اور اگر وہ گورنمنٹ کا افسرِ مال گزاری ہو جائے تو اسے کوئی دقت پیش نہ آئے۔

اس کے ساتھ یہ **ہندی اُڑا دی جائے اور اُردو کو ترقی دی جائے** بھی تجویز کی کہ بنارس، ساگر اور اجمیر کے علاوہ باقی کالجوں میں سے ہندی کو یک سر اُڑا دیا جائے۔ وجہ یہ بیان کی گئی کہ تحصیلی اور دیگر مدارس میں

ہندی پڑھنے پڑھانے کا کافی انتظام ہو۔ تمام فارسی طلبا پر اُردو پڑھنا لازمی کیا جائے اور انھیں کسی دوسری زبان سیکھنے کی اجازت نہ دی جائے۔ شعبۂ عربی پر بھی یہ بات لازمی کردی جائے اور اس طرح جونیر کلاسوں کے تمام طلبا عربی، فارسی، انگریزی، اُردو میں ایک جگہ ملا دیے جائیں اور زبانِ اُردو کا ایک الگ شعبہ قائم کیا جائے جس میں حساب، جبرو مقابلہ جیومیٹری (علمِ ہندسہ) تاریخ، اور جغرافیے سے پوری واقفیت اور آگاہی حاصل کی جائے یعنی طلبا زبان اُردو کے ذریعے ان مضامین میں مہارتِ تامہ حاصل کریں اور انگریزی، عربی، فارسی زبانوں کی تحصیل نکتہ فہمی اور دقیقہ سنجی کے ساتھ علیحدہ علیحدہ جماعتوں میں کی جائے۔ مزید براں شعبۂ اُردو میں قواعد اُردو اور زبان اُردو میں مضمون نگاری کی کامل دست رس حاصل کی جائے، انگریزی، فارسی اور عربی زبانوں سے اُردو میں ترجمہ کرنے کی مشق بہم پہنچائی جائے۔ اسی طرح انگریزی فارسی اور عربی کی جماعتوں میں طلبا کو ایسی تربیت دی جائے کہ وہ اُردو سے ان زبانوں میں ترجمہ کرنے کا ملکہ پیدا کریں[۱]"۔

لفٹنٹ گورنر کی منظوری

لفٹنٹ گورنر بہادر نے اس تجویز کو بہت پسند فرمایا اور خاص طور پر اُردو شعبے کے علیحدہ طور پر قائم کرنے کو بہ نظرِ استحسان دیکھا۔

ہندی اُردو دہلی کالج میں

دہلی کالج میں نہ تو کوئی باقاعدہ ہندی جماعت تھی اور نہ کوئی طالبِ علم، شعبۂ سنسکرت کی جونیر جماعتوں میں حساب، الجبرا، جیومیٹری اُردو زبان میں پڑھائی

[۱] مراسلۂ ناظمِ تعلیمات نشان ۴ مورخہ ۲ رمئی ۱۸۵۵ء مع رپورٹ دہلی کالج۔

جاتی تھی۔ عربی فارسی کے طلبا بیتال پچیسی، سنگھاسن بتیسی اور پریم ساگر پڑھتے تھے، یہ اس خیال سے کہ اگر کوئی طالبِ علم فوجی منشی گری کی خدمت قبول کرے تو اسے انجام دے سکے۔

بنارس ہیں تمام جونیر جماعتوں میں ہندی اور اُردو ساتھ ساتھ پڑھائی جاتی تھی۔

۱۸۵۶ء کی حالت دسمبر ۱۸۵۵ء اور دسمبر ۱۸۵۶ء کے اختتام پر طلبا کی تعداد علی الترتیب ۲۷۲ اور ۳۴۵ تھی۔ طلبا کی تعداد میں کمی کو پرنسپل صاحب نے حسبِ ذیل وجوہ سے منسوب کیا۔

۱۔ شعبۂ سنسکرت دلّی کالج سے اُڑا دیا گیا۔ اس سے تیرہ کی کمی ہوئی۔

۲۔ سرکاری اور دوسرے محکموں میں دلّی کالج کے ۳۷ طلبا ملازم ہو کر چلے گئے۔

۳۔ بعض غریب اور نادار طلبا کے پاس اتنے دام نہ تھے کہ کتابیں خرید کر اگلی جماعتوں میں شریک ہوتے۔

۴۔ غیر حاضری کے متعلق نہایت سخت قواعد کا نفاذ، جس کے سبب سے ۵۴ طلبا کے نام خارج کر دیے گئے۔

۵۔ ناظم صاحب کے حکم کے بموجب ہر چھمائی پر داخلہ عمل میں آیا اس لیے طلبا کم داخل ہوئے۔

۶۔ شہر میں مشن ہائی اسکول نے نادار طلبا کی دست گیری کا ایسا بیڑا اٹھایا کہ کالج کی طرف غریب طلبا نے رخ کرنا چھوڑ دیا۔

طلبا کی تعداد باعتبارِ قومیت عیسائی ۴، ہندو ۳۸۵، مسلمان ۸۳۔

اُردُو تمام طلبا اُردُو میں درس پاتے تھے، عربی اور فارسی کے طلبا نے ہندی میں کافی استعداد پیدا کرلی۔

مصارفِ تعلیم ہر طالبِ علم پر اس سال تقریباً ۹۰ روپے ۸ آنے صرف ہوئے۔

ملازمت چودہ طلبا شعبۂ انگریزی کے اور ۲۳ شعبۂ مشرقیہ کے ملازم ہوئے۔ افسرانِ کالج نے نئے پرانے طلبا کو ملازمتیں حاصل کرنے میں بہت مدد دی۔

شعبۂ علومِ مشرقی شعبۂ مشرقی میں فارسی کی تین جماعتیں تھیں، ہر ایک جماعت کے دو فریق تھے اور چار عربی کی جماعتیں تھیں۔ شعبۂ فارسی میں ۶۶ اور شعبۂ عربی میں ۳۹ طالبِ علم تھے۔ ان جماعتوں کے علاوہ سائنس کی جماعتیں بھی تھیں جن میں بڑی احتیاط سے مغربی سائنس زبانِ اُردُو کے ذریعے پڑھائی جاتی تھی۔ ماسٹر رام چندر اور دیگر اساتذہ بڑے شوق اور قابلیت سے درس دیتے تھے اور طلبا ریاضی، نیچرل فلاسفی اور تاریخ میں ایسے مستعد ہو گئے تھے کہ شعبۂ انگریزی کے طلبا سے برابر کا مقابلہ کرتے تھے اور اکثر بازی لے جاتے تھے۔ اس بارے میں رام سرن داس صاحب کی رائے پہلے لکھ چکا ہوں۔

۱۸۵۷ء کے غدر میں کالج کا حشر گیارھویں مئی پیر کا دن تھا۔ کالج کا وقت صبح کا تھا۔ پڑھائی حسبِ معمول ہو رہی تھی۔ ساڑھے آٹھ بجے چند لالہ ہانپتے کانپتے آئے، ان کی سراسیمگی اور وحشت کا عجیب عالم تھا۔ دوڑے دوڑے آئے اور جماعتوں میں بے تحاشا گھس گئے اور اپنے لڑکوں سے کہا، گھر چلو، بھاگو

غدر مچ گیا، سپاہی اور سواروں نے لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ یہ سنتے ہی لڑکے اپنے اپنے بستے سنبھال چمپت ہونے لگے۔ پرنسپل صاحب حیران و ششدر تھے کہ یہ کیا تماشا ہے۔ اتنے میں میگزین کا چپراسی آیا اور کمانڈنٹ کا خط لایا، اس میں مرقوم تھا کہ شورش بپا ہوگئی ہے اور حالت لحہ بہ لحہ خطرناک ہوتی جاتی ہے، مصلحت یہ ہے کہ آپ فوراً مع انگریزی اسٹاف کے یہاں آجائیں اور میگزین میں پناہ لیں۔ پرنسپل ٹیلر، رابرٹس ہیڈ ماسٹر، اسٹوارٹ سیکنڈ ماسٹر، اسٹینز تھرڈ ماسٹر بوکھلائے ہوئے بھاگے اور میگزین میں پناہ گزین ہوئے۔

مسٹر ٹیلر کالج ہی کی کوٹھی میں رہتے تھے، رابرٹس کا بنگلہ بھی کالج کے احاطے میں تھا، ان کے بیوی بچے بھی ساتھ رہتے تھے، اسٹوارٹ منصور علی خاں کی حویلی میں اور اسٹینز کشمیری دروازے کی طرف کسی مکان میں اقامت گزیں تھے۔ پروفیسر یسوع داس رام چندر چاندنی چوک میں ایک کوٹھے پر رہتے تھے۔

اس کے بعد ہندستانی سپاہیوں نے میگزین کو گھیر لیا۔ وہ ہر انگریزی چیز کو تباہ کرتے چلے آتے تھے۔ میگزین میں پانچ چھ انگریز افسر اور دو تین سارجنٹ تھے۔ ان لوگوں نے اپنی ننھی سی جماعت سے بڑی پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے میں ہندستانی سیڑھیاں لگاکر میگزین کی دیواروں پر چڑھ گئے۔ جب انگریزوں کو کمک کی کوئی توقع نہ رہی تو انھوں نے میگزین کو آگ لگادی اور ہزاروں ہندستانیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ کوئی پانچ انگریز خود بھی لقمۂ اجل ہوئے۔

مسٹر ٹیلر اور مسٹر اسٹینز جان بچاکر بھاگے اور میگزین سے صحیح سلامت

باہر نکل آئے، لیکن ہوش و حواس باختہ۔ حیران تھے کہ کہاں جائیں، ہر سمت موت کھڑی نظر آتی تھی۔ رابرٹس غریب تو وہیں ڈھیر ہوگیا اور اسٹورٹ بھی میگزین کے شعلوں کے نذر ہوئے۔ بہ ہزار دقّت ٹیلر صاحب کالج کے احاطے میں آئے اور اپنے بڈھے خانساماں کی کوٹھری میں گھس گئے۔ اس نے انھیں محمد باقر صاحب مولوی محمد حسین آزاد کے والد کے گھر پہنچادیا۔ مولوی محمد باقر سے ان کی بڑی گاڑھی چھنتی تھی۔ انھوں نے ایک رات تو ٹیلر صاحب کو اپنے امام باڑے کے تہ خانے میں رکھا لیکن دوسرے روز جب ان کے امام باڑے میں چھپنے کی خبر محلّے میں عام ہوگئی تو مولوی صاحب نے ٹیلر صاحب کو ہندستانی لباس پہنا کر چلتا کیا۔ مگر ان کا بڑا افسوس ناک حشر ہوا غریب بیرام خاں کی کھڑکی کے قریب جب اس سج دھج سے پہنچے تو لوگوں نے پہچان لیا اور اتنے لٹھ برسائے کہ بچارے نے وہیں دم دے دیا۔ بعد میں مولوی محمد باقر صاحب اس جرم کی پاداش میں سولی چڑھائے گئے، اور ان کا کوئی عذر نہ چلا۔ مولوی محمد حسین آزاد کا بھی وارنٹ کٹ گیا تھا مسٹر ٹیلر کے مارے جانے میں ان کی بھی سازش خیال کی گئی تھی اور ان پر بھی قوی شبہہ تھا، مگر یہ راتوں رات نکل بھاگے اور کئی سال تک سرزمینِ ایران میں بادیہ پیمائی کرتے رہے جب معافی ہوئی تو ہندستان واپس آئے۔

مسٹر ٹیلر نہایت قابل، نہایت ہمدرد اور شریف النفس انسان تھے ان کے مرنے کا سب کو رنج اور صدمہ تھا۔ ان کے حالات، میں کالج کے اساتذہ کے عنوان کے تحت الگ لکھوں گا، اس سے معلوم ہوگا کہ یہ کیسا عجیب و غریب شخص تھا۔

اسٹینز صاحب سب سے اچھے رہے، میگزین اُڑنے سے جو اس

کی چہار دیواری میں درز پڑگئی تھی اس سے ٹیلر صاحب کے ساتھ باہر نکل آئے ٹیلر صاحب کی اجل تو انھیں کالج کی طرف لے گئی اور اسٹیز کی حیات انھیں جمنا پار میرٹھ لے گئی۔ وہاں یہ زندہ بچ گئے اور غدر کی پُرآشوب دار و گیر سے محفوظ رہے۔

رہے پروفیسر رام چندر، یہ پیدل چل کر پن چکی کی سڑک پر ہوتے ہوئے قلعے کے سامنے آئے۔ انھوں نے دیکھا کہ چند ترک سوار یا مغلوں کا دستہ ننگی تلواریں ہاتھ میں لیے ہوئے لال ڈگی کی سڑک پر آرہا ہے یہ اسے دیکھ کر اپنے گھر کی طرف مُڑ گئے اور چاندنی چوک کے کوٹھے پر صحیح سلامت پہنچ گئے۔ وہاں سے انھیں ان کے بھائی رام شنکر داس اپنے ساتھ لے گئے اور کایستوں کے محلّے میں اپنے کسی عزیز کے ہاں جا چھپایا مگر ان کے اقربا نے اس خیال سے کہ ان کی وجہ سے کہیں ہم پر آفت نہ آئے ان کا وہاں زیادہ قیام گوارا نہ کیا۔ ان کا ایک قدیم نوکر جاٹ تھا اس نے بڑی وفاداری اور رفاقت کی۔ انھیں جاٹ بنا کر گنواروں کے سے کپڑے پہنا پگڑ بندھوا اپنے گانوں لے گیا اور وہاں رکھا۔ وہاں سے یہ باولی کی سرا میں انگریزی لشکر سے جا ملے۔

رابرٹس صاحب کی دو لڑکیاں اور پانچ عیسائی طلبا بھی ان بے رحموں کے ہاتھ سے مارے گئے۔

کالج کا کتب خانہ

دن کے بارہ بجے کے کچھ دیر بعد کالج کا کتب خانہ لٹنا شروع ہوا۔ لٹیرے بڑے بے ڈھب تھے۔ انگریزی کی تمام کتابوں کی خوب صورت خوب صورت سنہری فرموں کی جلدیں پھاڑ لیں اور ورقوں کا کالج کے تمام باغ میں دو دو انچ موٹا فرش بچھا دیا۔ عربی

فارسی اُردو کی جتنی کتابیں تھیں ان کی گٹھریاں باندھ باندھ کر اپنے گھر لے گئے
اور پھر کباڑیوں اور مولویوں کے ہاتھ کوڑیوں کے مول فروخت کردیں۔
سائنس ڈیپارٹمنٹ میں جتنے آلات تھے انھیں بھی توڑ پھوڑ ڈالا اور لوہا پیتل
وغیرہ دھاتیں لے گئے۔

غدر کے بعد کالج ۱۸۶۴ء میں ازسرِنو جاری ہونا

غدر میں جو کالج
بند ہوا تو بند کا بند ہی رہا۔ کسی نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ حالات ہی کچھ
ایسے رونما ہو گئے تھے کہ کوئی توجہ کرتا تو کیا کرتا۔ آخر مئی ۱۸۶۴ء میں اس کی
قسمت جاگی اور ازسرِنو کھلا۔ شروع شروع میں سارا کام پروفیسر ہٹن
(Hatton) کی نگرانی میں رہا۔ اس کے بعد اکتوبر ۱۸۶۴ء کے آخر میں مسٹر
اڈمنڈ ولمٹ (Edmand wilmot) بی۔اے ٹرنٹی کالج کیمبرج نے انگلستان
سے آکر پرنسپل کی خدمت کا "جائزہ" لیا۔ اور جب پروفیسر ہٹن لفٹنٹ ہالرائڈ
کی جگہ انبالہ سرکل کے انسپکٹر مقرر ہوئے تو ان کی جگہ مسٹر سی۔ک۔کوک۔بی۔
اے سن جان کالج کیمبرج کا تقرر انگریزی زبان کی پروفیسری پر ہوا۔ لیکن
جنوری ۱۸۶۵ء میں مسٹر ولمٹ کو ایسا سخت حادثہ پیش آیا جس کی وجہ سے
انھیں اپنا تعلق کالج سے قطع کرنا پڑا۔ انھوں نے نہایت قابلیت اور جوش
سے ریاضیات پر لکچر دینے شروع کیے تھے اور ان کے طریقۂ تعلیم سے بہت
کچھ توقعات پیدا ہو گئی تھیں لیکن ایک اتفاقی حادثے نے ان توقعات کا
خاتمہ کردیا۔ اس کام کا بار بھی پروفیسر کُک پر آپڑا اور انھوں نے اس فرض
کو بڑی محنت اور خوبی سے انجام دیا۔

ایس۔پی۔جی مشن اسکول کا الحاق دلّی کالج سے

اس سال ریورنڈ مُر ڈنٹر (R. Dinter) صدر ایس۔پی۔جی مشن نے اپنی درس گاہ (سن اسٹیفن کالج) کے شعبے کو بند کر دیا اور اپنے ہاں کے میٹریکولیشن کام یاب طلبا کو دلّی کالج میں بھیج دیا۔

انگریزی کھیل

یہ پہلا سال تھا کہ کالج میں انگریزی کھیل اور ورزشیں جاری کی گئیں۔

اخبارات کے مطالعے کی ترغیب

اس سال طلبا کو اخبارات کے مطالعے کی ترغیب دی گئی اور "پنجاب ایجوکیشنل میگزین" جاری کیا گیا۔ چونکہ طلبا کے مطالعے میں انگریزی کے قدیم اساتذہ کا کلام رہتا تھا اس لیے وہ معمولی خط وکتابت میں بھی مرصّع اور پرشکوہ عبارت لکھتے تھے اور سادہ زبان لکھنے کے عادی نہ تھے۔ اس نقص کے رفع کرنے کے لیے کالج میں السٹریٹیڈ لنڈن نیوز (Illustrated London News) منگایا گیا، اس کے علاوہ صوبے کے بعض اخبار بھی منگائے جاتے تھے۔

کالج کی جماعتیں

کالج میں اس وقت دو جماعتیں تھیں۔ اعلیٰ جماعت یعنی سال دوم میں ۱۳ طالبِ علم تھے جو کلکتہ یونیورسٹی کے امتحان فسٹ آرٹس (سنہ ۱۸۶۵ء) کی تیاری کر رہے تھے۔

طلبا کی تعلیمی حالت

پرنسپل کی رپوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ امتحان میں طلبا کی حالت بہت قابلِ اطمینان رہی۔ انھوں نے طلبا کی محنت اور ذہانت کی بہت تعریف کی ہے اور بعض طلبا

کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

نصابِ تعلیم میں بھی بہت کچھ تبدیلی کی گئی۔ عربی کی تعلیم پر خاص توجہ کی گئی اور لاطینی زبان کے سبق شروع کیے گئے تاکہ انگریزی الفاظ کے مادوں کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ صرف یہ دو تبدیلیاں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

۱۸۶۵ء کا تعلیمی دربار

۲۵ مارچ ۱۸۶۵ء کو لفٹنٹ گورنر پنجاب نے شام کے پانچ بجے مُلکہ کے باغ میں ایک تعلیمی دربار کیا۔ اس میں دلّی کالج کے اساتذہ وطلبا اور دلّی کے تمام ہائی اسکولوں کے مدرس اور متعلمین اور مضافاتِ دہلی کے مدارس کے استاد اور طالبِ علم جمع ہوئے تھے۔ ہز آنر، لارڈ بشپ کلکتہ، کمشنرِ دہلی، جنرل ایرنگٹن اور حکّام صیغۂ تعلیمات نے ایک گشت لگایا، مدارس کے طلبا جو صف بہ صف کھڑے تھے انھیں دیکھا اور ہر مدرسے کے طلبا و اساتذہ سے مختلف سوالات کیے اور سب کی ہمت افزا الفاظ میں دل جوئی کی۔

اس کے بعد ہز آنر تخت پر جلوہ افروز ہوئے اور کمشنرِ دہلی نے زبانِ اُردو میں ایک فصیح و بلیغ تقریر کی اور دربار کا مقصد بیان کیا۔ ان کے بعد ڈائرکٹر تعلیمات کپتان فلر آر۔ اے اُٹھے اور انھوں نے ایڈریس پیش کیا۔ اس ایڈریس میں علومِ مشرقیہ کی تعلیم اور دہلی کالج کے متعلق جو ذکر آیا ہے اسے یہاں نقل کیا جاتا ہے:-

"انگریزی زبان کے ذریعے اعلیٰ تعلیم کی یوماً فیوماً ترقی کی تو یہ کیفیت ہے جو اوپر بیان ہوئی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ علومِ مشرقیہ کے طلبا کے وظائف بھی بڑھ رہے ہیں اور اُن کو اور بڑھایا جارہا ہے۔ ہمارے کالجوں میں عربی، مشرقی اَدبیات کی

بیخ و بنیاد ہر اور فارسی ہندستانی زبان کے ہاتھ میں ہاتھ لیے ہوئے الگ بڑھی چلی جا رہی ہر۔ ہمارے اینگلو ورنیکلر اور ورنیکلر مدارس اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔ جب طلبا آگے بڑھیں گے اور اعلی جماعتوں میں آجائیں گے تو ابو الفضل، حافظ اور ظہوری جیسے فارسی ادیبوں سے سرگوشیاں کریں گے، اُن پر تنقید و تبصرہ کریں گے اور ان کے کلام کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیں گے۔ دلّی کالج کے طلبا کو اگرچہ اب وظائف کی رقم گزشتہ زمانے کے مقابلے میں جب وہ حکومتِ ممالکِ شمالی مغربی کے تحت میں تھا نسبتاً چھٹا حصّہ دی جا رہی ہر لیکن اس کی بجائے تعلیم کی ایسی ترغیبات موجود ہیں کہ طلبا کی تعداد قدیم دلّی کالج کے متعلمین کے مقابلے میں چوگنی ہر۔ اس سے میرا یہ مدّعا نہیں ہر کہ حکومت ممالکِ شمالی مغربی کی کسی طرح اہانت کروں بلکہ دراصل بات یہ ہر کہ ۱۸۵۷ء کے غدر کا دھچکا اٹھانے کے بعد تہذیب و شائستگی زندگی کے ہر شعبے میں نہایت سرعت سے قدم بڑھا رہی ہر اور حکومت کا صرف یہ ادّعا ہر کہ وہ زمانے کی رفتار کے قدم بہ قدم چل رہی ہر۔"

سنہ ۱۸۶۵ تا ۶۶ء کی تعلیمی حالت

پرنسپل کی رپوٹ سے معلوم ہوتا ہر کہ ۱۸۶۵ء میں ایف اے کا نتیجہ اچھا نہ رہا۔ وجہ یہ بتائی گئی ہر کہ پروفیسر کا تقرر نہیں ہوا تھا۔ مسٹر ڈورن کی مساعی کے باعث میٹرک کا نتیجہ اچھا رہا۔ پرنسپل نے ماسٹر پیارے لال اور ساگر چند کی بھی بہت تعریف کی ہر۔

۱۸۶۶ء میں بھی یونیورسٹی امتحان کا نتیجہ اچھا نہ رہا۔ سبب وہی تھا کہ کوئی پروفیسر نہ تھا۔ انٹرینس میں ۱۷ میں سے چھ اور ایف۔ اے میں چھ میں سے تین کام یاب ہوئے۔

اس سال کالج کے ایک طالب علم بھیروں پرشاد نے لالہ وزیر سنگھ کے وظیفہ ریاضی (۱۲۰ روپے) کے لیے مقابلہ کیا اور سب امیدواروں میں کام یاب رہا۔

امتحانات

جولائی ۱۸۶۶ء میں خانگی امتحانات میں گیارہ طالبِ علم سالِ اوّل کے دہلی اور لاہور سے بیٹھے۔ ان میں صرف چار طلبا کام یاب ہوئے وہ سب کے سب دہلی کے تھے۔ سالِ دوم کے ۴ طلبا میں سے دلّی کا ایک کام یاب رہا، سالِ سوم میں آٹھ شریکِ امتحان ہوئے۔ سالانہ امتحان میں سالِ اوّل میں سات طالبِ علم دلّی کالج کے شریک ہوئے تین کام یاب رہے۔ سالِ سوم میں چار نے امتحان دیا، بھیروں پرشاد اوّل آیا۔

کالج میں طلبا کی تخفیف

وظائف اس درجے کم اور ان کے قواعد ایسے سخت ہو گئے تھے کہ طلبا تعلیم جاری نہیں رکھ سکتے تھے اور اس لیے کالج میں بڑی تخفیف ہو گئی۔ پرنسپل صاحب نے اس خطرے کو محسوس کر کے لفٹنٹ گورنر کو رپوٹ کی کہ اگر یہی لیل و نہار رہے تو پنجاب کے تمام کالج بیٹھ جائیں گے۔ اور اس کے برعکس آگرہ اور بریلی میں حکومتِ صوبہ ہائے متحدہ بڑی فیاضی سے کام لے رہی تھی۔

کالج کا اسٹاف

پروفیسر جارڈین (Jardine) نے دلّی کالج میں دو ماہ لکچر دیے اور ۲۱ جولائی کو لاہور کالج کے پرنسپل ہو کر

چلے گئے، اس کے بعد ممالکِ مغربی شمالی میں پروفیسر قانون ہو گئے۔ یہ بہت بڑے ریاضی داں اور ماہر مابعد الطبیعیات تھے۔ مسٹر کک بھی یکم مئی ۱۸۶۶ء کو استعفا دے کر آگرے چلے گئے اور وہاں ان کا تقرر پروفیسری پر ہو گیا۔ ان صاحبوں کے جانے کے بعد مسٹر ولمٹ اور مسٹر ڈورن جو دونوں السنہ وعلومِ شرقیہ سے نابلد تھے، کام کرتے رہے۔ پرنسپل کو اس کی سخت شکایت ہے کہ کالج میں کوئی پروفیسر نہیں ہے اور لفٹننٹ گورنر کو کئی بار لکھا مگر کوئی توجہ نہ ہوئی حالانکہ اب کالج میں پوری چار جماعتیں ہو گئی تھیں۔

۱۸۶۷ء کی تعلیمی حالت

اس سال ایف۔ اے میں چار طالبِ علم شریک ہوئے۔ دو دوسرے ڈویژن میں اور دو تیسرے ڈویژن میں کام یاب ہوئے۔ لیکن نند کشور طالبِ علم دوسرے ڈویژن میں پنجاب کے تمام طلبا میں اوّل آیا، امتحانات کلکتہ یونیورسٹی میں ہوتے تھے، اس لیے نند کشور کو پنجاب کا اوّل انعام کوپر سلور میڈل ملا بی۔ اے میں دو شریک ہوئے ایک ناکام رہا دوسرا فسٹ ڈویژن میں کام یاب ہوا اور پنجاب کے تمام طلبا میں اوّل آیا۔ اس طالبِ علم کا نام بھیروں پرشاد تھا، اسے آرنلڈ گولڈ مڈل ملا۔ یہ پہلا سال تھا کہ کالج سے بی۔ اے کے امتحان میں طلبا شریک ہوئے تھے

کالج کی حالت پنجاب کے تمام کالجوں میں نتیجے کے اعتبار سے اوّل رہی۔

گبنز سکالرشپ

مسٹر چارلس گبنز ہیتھوس مجسٹریٹ و کلکٹر دہلی کی بیوہ نے اپنے خاوند کی یادگار میں گیارہ ہزار روپے دلّی کالج کو دیے تاکہ مرحوم کے نام سے ایک وظیفہ قائم کیا جائے۔ مسٹر

بیتھوس دلّی میں چارلس گبنز کے نام سے مشہور تھے اس لیے اسکالرشپ کا نام گبنز اسکالرشپ رکھا گیا۔

یہ وہ زمانہ ہے جب کہ لاہور میں اورنٹیل یونیورسٹی قائم کرنے کی تجویزیں ہو رہی تھیں۔

۱۸۶۸ء

مسٹر ولیٹ ۱۶ فروری ۱۸۶۸ء تک کالج میں رہے۔ ۹ مارچ کو مسٹر ٹُک آ گئے۔ مسٹر ولٹ انسپکٹر مدارس انبالہ ہو کر چلے گئے۔ مسٹر ایلس نے ٹُک صاحب کے آنے تک پرنسپلی کا کام کیا۔

۲۵ مارچ ۱۸۶۸ء کو میک نیل صاحب کمشنر دہلی کی صدارت میں کالج کے احاطے میں دربار ہوا۔ لفٹنٹ گورنر بھی رونق افروز تھے۔ ایسے طلبا کو انعامات دیے گئے جو اس سال امتحانات میں نام کے ساتھ کام یاب ہوئے تھے۔ اور ایسے حضرات کو خلعت اور تمغے ملے جنھوں نے دلّی اور مضافاتِ دہلی میں ترقیٔ تعلیم میں کوشش کی تھی۔

سنہ ۶۹-۱۸۶۸ء

اس سال سری رام نے سیکنڈ ڈویژن میں امتحان میں کام یابی حاصل کی۔ حکم چند تمام کلکتہ یونیورسٹی کے امتحان ایف۔ اے میں پانچویں نمبر پر رہا دو لڑکے اور کام یاب ہوئے۔

اینگلو سنسکرت اسکول

اس سال دلّی میں ہندوؤں نے اینگلو سنسکرت اسکول قائم کیا اس میں اُردو کے ذریعے تعلیم ہوتی تھی فارسی بھی اتنی پڑھائی جاتی تھی جتنی اُردو کے لیے ضروری سمجھی جاتی ہے۔ اس کا دہلی کالج سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن اس کا ذکر صرف اس لیے کیا گیا کہ یہ معلوم ہو کہ ۱۸۶۸ء تک اُردو زبان کس قدر مقبول تھی۔

سنہ ۷۰-۱۸۶۹ء نند کشور، شیو ناتھ نے بی۔ اے میں کام یابی حاصل کی۔ ایف۔ اے میں پانچ طالب علم کام یاب ہوئے۔

مسٹر ایلس اس سال ڈاکٹر لائیٹنر کی جگہ پرنسپل ہو کر لاہور چلے گئے

اسسٹنٹ پروفیسر سنسکرت کالج میں سنسکرت کی تعلیم کا انتظام نہ تھا۔ ہندو طلبا اس وقت تک عربی لیتے تھے۔ گزشتہ سال طلبا نے بڑا غل مچایا تھا اور ایف۔ اے کے ۲۱ طلبا نے سنسکرت لی تھی۔ چنانچہ ہیڈ پنڈت جی کو کالج میں سنسکرت کی تعلیم کے لیے متعین کیا۔ اس سال کالج کے ۲۵ طلبا میں سے ۲۱ نے سنسکرت لی۔

سنہ ۷۱-۱۸۷۰ء اس سال ایم۔ اے کی جماعت بھی کھل گئی کالج کی جماعتوں میں طلبا کی تعداد یہ تھی۔

ایم۔ اے	۱
بی۔ اے سالِ چہارم	۵
سالِ سوم	۶
سالِ دوم	۱۷
سالِ اوّل	۲۱

حکم چند کلکتہ یونیورسٹی کے بی۔ اے میں تمام یونیورسٹی میں دوم آیا۔ چھ طالبِ علم ایف۔ اے میں کام یاب ہوئے۔ ایک درجۂ اوّل میں اور پانچ دوم میں۔

سنہ ۷۱-۱۸۷۰ء میں تعدادِ طلبا یہ تھی:

ایم۔ اے	۱
سالِ چہارم بی۔ اے	۹

سالِ سوم	۸
سالِ دوم	۲۴
سالِ اوّل	۱۴

ایم۔ اے کے امتحان میں حکم چند کلکتہ یونیورسٹی میں اوّل آیا۔ سری رام بھی کام یاب ہوا۔ مدن گوپال، لچھمی داس بی۔ اے میں کام یاب ہوئے۔

غرض اس طرح یہ کالج ۱۸۷۷ء تک برابر چلتا رہا۔ اصل یہ ہے کہ ۱۸۶۴ء سے جب یہ غدر کے بعد سے دوبارہ کھلا تو زمانہ دوسرا تھا۔ انتظامِ تعلیم میں نیا ورق اُلٹ چکا تھا، ہر چیز کی تنظیم و ترتیب بالکل نئے سرے سے کی گئی، دلّی کالج کی جو خصوصیتیں اور جن پر اس کالج اور کالج کے اساتذہ اور اس کے خیراندیشوں کو ناز تھا وہ باقی نہ رہیں۔ اُردو زبان اور اُردو تالیف و ترجمے کا چرچا رفتہ رفتہ اُٹھ گیا اور زیادہ زور انگریزی پر دیا جانے لگا۔ کالج اگرچہ بہ ظاہر پنجاب یونیورسٹی سے ملحق تھا مگر طلبا اکثر کلکتہ یونیورسٹی میں امتحان دیتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ پنجاب میں یونیورسٹی تو تھی لیکن وہ مسلّمہ نہ تھی ۱۸۸۱ء یا ۱۸۸۲ء میں تسلیم کی گئی۔ کالج کے قدیم طالب علم جو چند سال پہلے زندہ تھے یا جو دو ایک صاحب باقی ہیں سب کا بیان تھا کہ کالج ۱۸۷۷ء تک اچھا خاصا چل رہا تھا کہ نہ معلوم گورمنٹ کے جی میں کیا آئی کہ اسے اپریل ۱۸۷۷ء میں توڑ دیا اور اس کا سارا اسٹاف لاہور کالج میں بھیج دیا، یعنی اس کالج کو لاہور کالج میں ضم کردیا۔ بات یہ ہے کہ ڈاکٹر لائٹنر جو گورمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل تھے اور

پنجاب گورمنٹ میں بڑا رسوخ رکھتے تھے وہ گورمنٹ کالج لاہور کو فروغ دینا چاہتے تھے۔ لفٹنٹ گورنر کا بھی یہ منشا تھا کہ صوبے کی تمام اچھی اچھی چیزیں سمٹ کر مرکزِ حکومت یعنی لاہور میں آجائیں چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دلّی اپنے عزیز کالج سے محروم ہوگئی اور سب اساتذہ اور طلبا لاہور چلے گئے۔

کالج ٹوٹنے کے بعد یہاں صرف اسکول رہ گیا، دلّی کالج کی جگہ مشن کالج نے لے لی یہ پہلے صرف ہائی اسکول تھا۔

نصابِ تعلیم
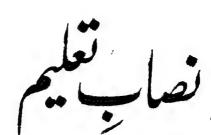
کالج کی ابتدائی تنظیم ۱۸۲۵ء میں ہوئی اور جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں شروع شروع میں فارسی عربی کی تعلیم ہوتی تھی اور اسی کے ساتھ سنسکرت کا شعبہ بھی تھا، حساب اور مبادیاتِ اقلیدس بھی پڑھائے جاتے تھے۔ اس وقت ان مضامین کی تعلیم معمولی تھی، رفتہ رفتہ نصاب کی تکمیل اور تعلیم کی اصلاح کی طرف توجہ ہوئی۔ انگریزی جماعت کا اضافہ ۱۸۲۸ء میں ہوا اور ۱۸۲۹ء کے سالانہ امتحان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لڑکوں نے انگریزی خواندگی میں معقول ترقی کی ہے، گریمر سے خوب واقف ہیں اور تاریخِ انگلستان میں بھی ان کی قابلیت بہت اچھی ہے۔

۱۸۳۱ء میں جب لارڈ بنٹنک نے کالج کا معائنہ کیا اور مسٹر میکناٹن نے امتحان لیا تو عربی فارسی کی تعلیم ناقص ہی نہیں پائی گئی بلکہ کم درجے کی بھی تھی۔ مسٹر ٹامسن نے بھی جو اورینٹل کالجوں کے وزیٹر تھے، اپنی معائنے کی رپوٹ سنہ ۱۸۴۱ء - ۴۲ میں یہی شکایت کی ہے۔ اس کے بعد سے نصاب میں مزید اصلاح شروع ہوئی۔

۱۸۳۹ء کے شروع میں انگریزی کی اعلیٰ جماعت ملٹن کی Paradise Lost اور پریکٹکل ریڈر پڑھتی تھی۔ اس کے علاوہ گورنمنٹ نے سفارش کی کہ رابرٹسن کی تاریخیں بھی پڑھائی جائیں۔ یہ کتابیں طالبِ علموں

کے لیے بہت مناسب ہیں۔

چنانچہ اس تحریک کی بنا پر ہیوم کی تاریخِ انگلستان اور Gregory's Lectures on Natural Philosophy کا نصاب میں اضافہ کیا گیا۔ مضمون نویسی اور ترجمے پر بھی زور دیا گیا۔ اس کے علاوہ Whewell's Machanical Euclid اور برج کا الجبرا اور علمِ مثلث مستوی Plane Trigonometry بھی پڑھتے تھے۔

اس زمانے میں عربی کی اعلیٰ جماعت شمسِ بازغہ مع حاشیۂ عبدالعلی اور مقاماتِ حریری کا درس لیتی تھی۔ یہ نصاب گزشتہ سالوں کے مقابلے میں بڑھا ہوا تھا۔

۱۸۴۳ء میں جب دونوں شعبوں کو یکجا کرنے کی تجویز ہوئی اور اس غرض سے دونوں کا امتحان لیا گیا تو اس وقت ہر دو شعبوں کا نصابِ تعلیم حسبِ ذیل تھا:۔

انگریزی شعبہ

درجۂ اوّل:۔ حساب، جیومیٹری (علمِ ہندسہ) ٹرگنامیٹری (علمِ مثلث) کانک سیکشن (مخروطات) الجبرک جیومیٹری (الجبری علمِ ہندسہ) پرنسپلز آف پولیٹکل اکانمی (اصولِ معاشیات) نارل فلاسفی

درجۂ دوم و سوم:۔ تاریخِ قدیم و تاریخِ روما، حساب، اقلیدس مقالۂ اوّل Introduction to Mechanics (مبادیاتِ مکانیک)، گریمر، مضمون نویسی۔

جماعتِ چہارم میں گریمر، حساب، جغرافیہ اور تاریخ پڑھائی جاتی تھی۔

تاریخ میں Brief Survey of History تھی۔

درجۂ پنجم کے طالب علم ریڈر نمبر ۴ پڑھتے تھے جغرافیے اور کُرہ کے علم سے واقفیت پیدا کرائی جاتی تھی اور روزانہ دو گھنٹے دیسی زبان کی تحصیل میں صرف کرتے تھے۔ حساب میں تفریقِ مرکب تک جانتے تھے اور انگریزی عبارت بلا تکلف پڑھ سکتے تھے۔

درجۂ ششم میں سائنس کی تعلیم کی ابتدا کی گئی۔ نیچے کی جماعتوں میں انگریزی اور اُردو کی ابتدائی تعلیم ہوتی تھی۔ ہندستانی اسباق میں حساب کے ابتدائی قاعدے، جغرافیہ کی ابتدائی باتیں اور کُرہ کے متعلق بعض مسائل شریک تھے۔ انگریزی فریق میں انگریزی صرف و نحو، الفاظ کے معنی اور خوش خوانی ہوتی تھی۔

مشرقی شعبہ

اس شعبے کا نصابِ تعلیم یہ تھا۔

عربی۔ مولوی مملوک علی کی جماعت (تعدادِ طلبا گیارہ)

مقاماتِ حریری (۲۵ ویں مقام سے آخر تک) ہدایہ کتاب الاقرار سے آخر تک۔ ریاضی، اقلیدس کے چار مقالے۔

تاریخِ تیموری (اُردو) تمام۔ رقعاتِ ابوالفضل، کتاب حساب کی پہلی اور دوسری فصل۔ براؤن کی کتاب حساب کل۔ جغرافیہ، مراۃ الاقالیم (اُردو)

فریقِ اوّل، مولوی جعفر علی (شیعہ) کی جماعت۔ (چھ طلبا) اس میں نصاب کی وہی کتابیں تھیں جو اُوپر کی جماعت میں لکھی گئی ہیں۔ البتہ ہدایہ کی جگہ شرعۃ الاسلام کے بعض ابواب تھے۔

فریقِ دوم۔ نفحۃ الیمن ۱۵۲ صفحے۔ مختصر نفع ۲۵۰ صفحے۔ اقلیدس پہلا مقالہ
اور دوسرے کی سات شکلیں۔ براؤن کی حساب کی کتاب (اُردو)
جغرافیہ، مرأۃ الاقالیم۔ شرحِ ملّا، انشائے ابوالفضل جلد اوّل۔

مولوی سید محمد کی جماعت (۸ طلبا)

میر قطبی، الف لیلہ، پہلی جلد اکیسویں شب سے ۲۰۰ ویں شب تک۔
نفحۃ الیمن، دوسرے باب سے آخر تک۔ اصولِ شاشی تمام۔ ہدایۃ الحکمت تمام۔
شرحِ وقایہ کتاب الزکوٰۃ سے آخر تک (جلد اوّل)۔ مقاماتِ حریری،
۱۵ مقامات۔ اقلیدس، پہلے دو مقالے (اُردو) براؤن کی کتاب حساب
کسورِ عام تک۔ میبذی شروع سے تعلیقات تک۔ جغرافیۂ ہندستان۔
مرأۃ الاقالیم۔

مولوی سدید الدین کی جماعت (طلبا ۱۰)

کافیہ کُل۔ شرحِ مُلّا۔ قدوری، الف لیلہ کی پہلی جلد۔ مرقاۃ۔ قال اقوال
براؤن کی کتاب حساب۔ شرحِ وقایہ، کتاب الطلاق تک۔ نفحۃ الیمن مناظرہ
نرجس تک۔ ابوالفضل بابِ اوّل و دوم۔ جغرافیہ۔ جیومیٹری (علمِ ہندسہ)

فارسی درجۂ اوّل۔

عربی میں شرح مُلّا تا معمولات، صرفِ میر، دستور المبتدی، نحو میر
ماتہ عامل، شرح ماتہ عامل، ہدایت النحو۔

فارسی میں طاہر وحید، مینا بازار، پنج رقعۂ ظہوری۔

براؤن کی کتاب حساب تا کسورِ عام، جیومیٹری میں اقلیدس کا پہلا
مقالہ۔ جغرافیہ۔

۱۸۴۵ء سے پرنسپلی کی خدمت پر ڈاکٹر اسپرنگر کا تقرر ہوا۔ یہ عربی سے
واقف تھے اور انھیں مشرقی نصابِ تعلیم کی اصلاح کا خاص خیال تھا۔
ان کو اس امر کی شکایت تھی کہ مولوی صاحبان پُر تکلف اور مسجع اور مقفیٰ
طرزِ تحریر کے دل دادہ ہیں اور متاخرین کے کلام کو پسند کرتے ہیں جس کا
اثر طلبا پر بھی پڑتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ فارسی جماعتوں کی تعلیم ناقص ہے۔
عربی کے شعبے میں بھی انھوں نے اصلاح کرنی شروع کی۔ ہمارے
قدیم مدارس میں ادب کی تعلیم بہت کم یا بالکل نہیں ہوتی تھی۔ ڈاکٹر صاحب
نے اس کی طرف توجہ کی۔ چونکہ ہندستان میں عربی ادب کی اعلیٰ کتابیں
آسانی سے دستیاب نہیں ہوتی تھیں اور لوگ ان سے واقف نہ تھے،
اس لیے انھوں نے بعض کتابیں یورپ سے منگائیں۔ اتنی کتابیں نہ
تھیں کہ سب طلبا کو دی جا سکیں اس لیے کتابیں نقل کر لی جاتی تھیں۔
اسی طرح انھوں نے مغربی علوم کو شعبۂ شرقی کے نصاب میں شریک
کیا اور بہت سی کتابیں انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کرائیں۔ بعض اوقات
یہ ہوتا تھا کہ جس قدر حصہ ترجمے کا چھپ چکا ہے اسی قدر نصاب میں شریک
کر دیا جاتا تھا۔

۱۸۴۵ء اور اس کے بعد کا نصابِ تعلیم جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے،
اس سے معلوم ہوگا کہ کیا کیا تبدیلیاں عمل میں آئیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ کالج میں سنّیوں اور شیعوں کی تعلیم کا الگ الگ
انتظام تھا۔ یعنی صرف مذہبی تعلیم میں فرق تھا باقی نصاب ایک ہی تھا۔ اب
مشرقی اور انگریزی شعبوں کا نصاب الگ الگ لکھا جاتا ہے۔

نصاب شعبۂ مشرقی

سنہ ۴۵ء

عربی۔ درجۂ اوّل (سنّی)

دیوانِ متنبی (بعض حصّے)۔ دُرِّ مختار (بعض حصّے) اصول وحکومت و وضع قوانین The Principles of Government and Legislation

رہنمائے ضابطۂ دیوانی مصنفۂ مارشمین ۴ باب (Marshman's Guide to the Civil Regulations) (4 chapters).

الجبرا و علمِ مثلث تحلیلی مستوی (Algebra' Analytical Plane Trignometry)

ہرشل کی علمِ ہئیت (ایک حصّہ) Hershol's Astronomy (A portion)

سیر المتقدمین (Miss Bird's Ancient History)

درجۂ اوّل (شیعہ) کا نصاب وہی تھا جو اُوپر لکھا گیا ہے صرف اتنا فرق تھا کہ دُرِّ مختار کی جگہ شیعوں کی دینیات کی کتاب رکھی گئی تھی۔

درجۂ دوم (سُنّی) تاریخِ تیموری۔ اصولِ شاشی۔ سیَر المتقدمین۔ ہدایہ (بعض حصّے) اصولِ وضع قانون The Principles of Legislation ۲۰ صفحے اور ریاضیات حسبِ نصاب درجۂ اوّل۔

شعبۂ فارسی۔

درجۂ اوّل۔ مینا بازار، پنج رقعہ، سہ نثرِ ظہوری، حسن وعشق۔ قصائدِ عرفی۔ نصیرائے ہمدانی۔ دیوانِ ناصر علی۔ نیچرل فلاسفی تا Pneumatics Phelp جغرافیہ، تاریخِ بنگالہ۔ اقلیدس گیارھویں مقالے کے آخر تک۔ الجبرا تا اختتامِ مساوات درجۂ چہارم پولیٹکل اکانمی (معاشیات)

درجۂ دوم۔ انوارِ سہیلی باب دوم سے آخر تک۔ مینا بازار۔ شاہ نامے کے بعض حصّے۔ زلیخا۔ انشائے خلیفہ۔ اقلیدس پانچ مقالے۔

نصاب ۱۸۴۸ء شعبۂ عربی

درجۂ اوّل۔

فقہ۔ دُرّالمختار (کل)

ادب۔ تاریخ یمینی (کل اگر چھپ جائے)۔ حماسۂ ابو تمام پہلا باب۔

تاریخ۔ جامع التواریخ۔

سائنس۔ علم المناظر مولفہ فلپ (Phelp) کل۔ علمِ ہیئت مصنّفہ ہرشل۔

احصائے تفرقات (Diffi reutial calculus) کل مصنّفہ رام چندر۔

اس کے علاوہ سائنس کی وہ سب کتابیں پڑھیں جو ترجمہ ہو چکی تھیں۔ مثلاً انٹروڈکشن ٹو نیچرل فلاسفی، طبیعیات مصنفہ ارناٹ وغیرہ۔

مارل سائنس۔ پیلی (Paley) کی کتاب جہاں تک طبع ہو چکی ہو۔ ڈرائنگ (نقشہ کشی) اور پیمائش (اختیاری)

مضمون نویسی ہفتے میں دو بار۔

(ڈاکٹر سپرنگر نے نصابِ تعلیم کی خاطر تاریخ یمینی کو ایڈٹ کیا اور جہاں تک طبع ہو چکی تھی طلبا کے مطالعے میں آئی)

درجۂ دوم:۔

فقہ۔ ہدایہ (کل)

ادب۔ متنبی (کل) تاریخ یمینی (درجۂ اوّل کے ساتھ پڑھیں)۔ باقی مضامین وہی ہیں جو درجۂ اوّل کے لیے ہیں۔

فریقِ اوّل درجۂ دوم۔
نحو۔ شرحِ مُلّا (کل)
منطق۔ شرحِ تہذیب (کل)
فقہ۔ قدوری (نصف)
ادب۔ کلیلہ دمنہ (۱۰۰ صفحے)
سائنس۔ الجبرا (کل)۔ طبیعیات مصنفۂ ارناٹ (کل) اور مغناطیش،
جہاں تک طبع ہو۔
جیومیٹری (علمِ ہندسہ)۔ اقلیدس کے دو مقالے۔
تاریخ Brief Survey of History حصّۂ دوم کل
ترجمہ اور مضمون نویسی۔ ہفتے میں دو بار۔
نقشہ کشی اور خوش خطی (اختیاری)

فریقِ دوم، درجۂ دوم
نحو۔ کافیہ (کل)
صرف۔ مراح الارواح (کل)
ادب کلیلہ و دمنہ (۱۰۰ صفحے)
تاریخ و جغرافیہ۔ فریقِ اوّل کے ساتھ پڑھیں۔

شعبۂ فارسی

درجۂ اوّل، فریقِ اوّل۔ ادب پنج رقعہ (کل) مینا بازار (کل)
شاہ نامہ ۲۰۰ صفحے
سائنس۔ حساب۔ جیومیٹری (اقلیدس ۲ مقالے)۔ الجبرا (نصف)

تاریخ Brief Survey حصۂ اوّل (کل)
نقشہ کشی یا خوش خطی، ترجمہ اور مضمون نویسی۔

فریقِ دوم۔
ادب۔ طاہر وحید (اصطرلاب تک)۔ نل دمن ۲۰۰ صفحے
ریاضیات۔ پریکٹیکل جیومیٹری۔ باقی مضامینِ سائنس وہی ہیں جو
فریقِ اوّل کے ہیں۔

درجۂ دوم، فریقِ اوّل۔
ادب۔ بہارِ دانش صفحہ ۱۲۵ سے ۳۰۰ تک سکندر نامہ ۱۰۰ صفحے۔
ریاضیات۔ حساب (نصف آخر) پریکٹیکل جیومیٹری (عملی علمِ ہندسہ)
اقلیدس پہلا اور دوسرا مقالہ۔
جغرافیہ۔ نقشہ کشی اور خوش خطی۔

درجۂ دوم، فریقِ دوم۔
ادب۔ یوسف زلیخا تمام۔ بہارِ دانش ۱۲۵ صفحے۔
ریاضی۔ کتاب حساب نصف آخر۔
جغرافیہ خطّاطی۔

سنہ ۱۸۴۸ء کا نصاب قریب قریب وہی تھا جو گزشتہ سال کا، اس لیے
اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں البتہ سنہ ۱۸۴۹ء میں عربی کے درجۂ اوّل
میں توضیح، (Dynamics) حرکیات (Analytical Geometry) علمِ ہندسہ
تحلیلی اور تاریخِ انگلستان کا اضافہ ہوا۔ اور ہرشِل کی کتاب علمِ ہیئت اور
علمِ المناظر اور جامع التواریخ نصاب سے خارج ہو گئے۔ سائنس اور ریاضیات

کی تعلیم انگریزی کے درجۂ اوّل کے ساتھ ہونے لگی۔ اس کے سوا اور کوئی قابلِ لحاظ تبدیلی نہیں ہوئی۔

فارسی شعبے میں مقدمۂ نیچرل فلاسفی، میکینکس، تاریخِ حکومت مغلیہ اور لوگارتھم کا اضافہ ہوا۔

سنسکرت کے درجۂ اوّل میں باغ و بہار، آمد نامہ اور کریما اور تاریخ انگلستان (اُردو) داخلِ نصاب ہوئی۔ فارسی شعبے میں تاریخِ انگلستان اُردو اور ناگری حروف دونوں میں تھی۔

۱۸۵۰ء کے نصابِ عربی میں تاریخِ ابوالفدا بھی شریک تھی۔ فارسی میں قصائدِ خاقانی، توقیعاتِ کسریٰ، مینا بازار، پنج رقعہ، سہ نثرِ ظہوری، سکندر نامہ، ابوالفضل شریکِ نصاب تھے اور ہندی کی بیتال پچیسی۔

۱۸۵۳ء کا نصاب

شعبۂ عربی

درجۂ اوّل، فریقِ اوّل۔

۱۔ دُرِ مختار ۱۰۰ صفحے۔

۲۔ دیوانِ حماسہ ص ۵۲۸ تا ص ۶۸۵۔

۳۔ تاریخِ یمینی ص ۲۴۲ تا ص ۲۷۶۔

۴۔ مطوّل بحث قُلتُ تک۔

۵۔ پریم ساگر۔

درجۂ اوّل، فریقِ دوم

۱۔ ہدایہ از باب الوکالت تا اختتامِ کتاب الغسل۔

۲۔ نور الانوار از ص ۱۰۰ تا آخر
۳۔ دیوانِ متنبی تا ردیف لام، ۲۰۰ صفحے۔
۴۔ سلّم کل۔
۵۔ پریم ساگر از ص ۳۰۰ تا آخر۔

درجۂ دوم، فریقِ اوّل۔

۱۔ تاریخِ تیموری از ص ۲۰۰۔
۲۔ شرحِ وقایہ از کتاب النکاح تا کتاب الوقف ۱۴۴ صفحے۔
۳۔ فرائض سراجی کل۔
۴۔ پریم ساگر از ص ۱۰۰ تا ص ۲۰۰۔

عربی کی جماعت دوم کے چار فریق اور تھے اور ان کا نصاب تدریجی تھا۔ دوسرے فریق میں مقاماتِ حریری کے ۲۰ مقام، قدوری کتاب الوقف سے آخر تک، قطبی کے دوسرے باب سے بحثِ قیاس تک ۰، صفحے پڑھائے جاتے تھے۔ اس کے تیسرے فریق میں کافیہ، مجرورات سے آخر تک، شرحِ مُلّا بحثِ فعل سے آخر تک اور مقاماتِ ہندی کے پچیس مقامات۔ چوتھے فریق میں ہدایۃ النحو کل، کافیہ مجرورات تک، منتخباتِ عربی کے دو باب تھے۔ پانچویں فریق میں دستورِ مبتدی کل، نحو میر کل اور شرحِ مائۃ عامل کل اور منتخباتِ عربی کے دو باب پڑھائے جاتے تھے۔

شعبۂ فارسی

درجۂ اوّل۔

قصائدِ بدر چاچ کل۔ نصیرائے ہمدانی کل۔ وقائع نعمت خانِ عالی

کل - پریم ساگر از صفحہ ۲۰۰ تا ۳۰۰ -

درجۂ دوم -

دیوانِ ناصر علی کل - جواہرالحروف -

درجۂ دوم - فریقِ اوّل -

ساقی نامۂ ظہوری نصف اوّل - طاہر وحید تا اصطرلاب - عبدالواسع -
پریم ساگر ص ۵۰ تا ص ۱۵۰ -

درجۂ دوم فریق دوم -

نلدمن - سہ نثرِ ظہوری - قواعدِ فارسی - بیتال پچیسی نصف

درجۂ سوم - فریقِ اوّل

سکندر نامہ تا جنگِ دارا، رقعاتِ عالمگیری کل، بیتال پچیسی ۱۲ قصے -

درجۂ سوم فریقِ دوم -

زلیخا نصف اوّل - انشاے خلیفہ نصف اوّل -

نصاب سائنس کلاس

سائنس کی جماعت الگ قائم ہوگئی تھی جس کی تعلیم اُردو میں ہوتی تھی، اس کا نصاب بابت ۱۸۵۰ء درج کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ سائنس و دیگر علوم کی تعلیم کس درجے تک تھی -

بابت ۱۸۵۰ء

جماعتِ اوّل ۱ - ۱ - احصاۓ تفرقات Differential Calculas

۲ - Hutton's Dynamics کل

۳- Parabola Ward's Alg. Geometry (وارڈ کا الجبری ہندسہ تا قطعہ مکانی) ۱۳۹ صفحے

۴- پریکٹیکل جیومیٹری

جماعتِ دوم

۱- Hutton's Stalics (ہٹن کی سکونیات)

۲- الجبرا کل

۳- تاریخِ انگلستان کل -

جماعتِ سوم :- ۱- Plane Trig Geometricallyland unalytically علمِ مثلث ستوی و تحلیلی -

۲- الجبرا -

۳- انٹروڈکشن ٹو دی نیچرل فلاسفی - میکانکس و علمِ ہیئت -

۴- تاریخِ انگلستان -

جماعتِ چہارم :- ۱- اقلیدس گیارھواں و بارھواں مقالہ -

۲- انٹروڈکشن ٹو نیچرل فلاسفی - میکانکس و ہئیت -

۳- تاریخِ حکومتِ مغلیہ -

۴- حساب -

جماعتِ پنجم :- ۱- اقلیدس مقالہ ۳، ۴ و ۶ -

۲- انٹروڈکشن ٹو نیچرل فلاسفی، میکانکس و ہئیت -

۳- تاریخِ حکومتِ مغلیہ

۴- حساب -

جماعتِ ششم :- ۱- اقلیدس پہلا مقالہ -

۲۔ جغرافیۂ ایشیا۔

۳۔ حساب

نصاب بابت سنہ ۱۸۵۳ء

جماعتِ اوّل :۔ ۱۔ برنکلے (Brinklay) کی کتاب علمِ ہیئت صفحہ ۱۵۱ تا صفحہ ۲۵۳

Ward's Algebrical Geometry حصۂ دوم

۲۔ وارڈ۔ ابتدا سے تیسرے باب تک۔ اور باب ۶ اور ۷ صفحہ ۴۸۴ تا آخر بابِ ہفتم۔

۳۔ تاریخِ یونان

جماعتِ دوم: ۱۔ احصائے تفرقات کل (Differential Calculus)

۲۔ وارڈ آٹھویں باب سے دسویں باب تک (بشمولِ ہردوباب)

۳۔ میکانکس مصنفۂ ینگ ۲۵ویں فقرے سے ۴۷ فقرے تک (بشمولِ ہردو)

جماعتِ سوم: ۱۔ Diff. Cal ابتدائے Maxima اور Minima تک۔

۲۔ وارڈ کی کتاب Quadratic Eq. مساوات درجۂ دوم سے Ellips (اہلیلجی) تک

۳۔ تاریخ انگلستان (اردو) ۱۰۰ صفحے۔

۴۔ ینگ کی کتاب میکانکس ۵۵ صفحے

جماعتِ چہارم۔ ۱۔ مفتاح الافلاک نصف اوّل۔

۲۔ علمِ مثلث (ٹرگنامیٹری)

۳۔ الجبرا، دوسرا باب اور چوتھے باب کے تین حصے۔

۴۔ تاریخِ انگلستان۔

جماعتِ پنجم: ۱۔ اقلیدس کے چھ مقالے اور گیارھویں مقالے کی ۲۱ شکلیں۔

۲۔ رسالۂ مساحت کل۔

۳۔ تاریخِ بنگال (اُردو) کل۔

۴۔ الجبرا۔۶۲ صفحے۔

جماعتِ ششم۔ ۱۔ اقلیدس پہلے چار مقالے۔

۲۔ حساب۔

جماعتِ ہفتم۔ ۱۔ اقلیدس پہلا مقالہ۔

۲۔ حساب تاکسورِ اعشاریہ۔

شعبۂ انگریزی

ابتدائی نصاب کا ذِکر تو پہلے ہو چکا ہے اب اس کے بعد نصاب میں جو تدریجی ترقی ہوئی اس کا ذِکر کیا جاتا ہے۔ ذیل میں تین سال کا نصاب درج کیا جاتا ہے۔ جس سے اندازہ ہوگا کہ انگریزی زبان وغیرہ کی تعلیم کس درجے اور نوعیت کی ہوتی تھی۔

COURSE OF STUDIES, 1847

History and Literature : -

Hamer's History of England, the Reign of Charles I and commonwealth. Gibbon's Roman Empire: the Reign of Justinian and the History of Mohamed (P&B) and the Khalifs. Brougham's Political Philosophy Vol. I. Richardson's Selections; To read Hemlet. Midsummer Night's Dreams, Cato, Thompson's Venice Preserved, Part of Milton, and to revise Macbeth: King Lear; Othello; and Four Books of Milton; Wayland's Political Economy (Larger work the Whole).

Bacon's Novum Organum, the whole.
Law:— Marshman's Civil Law 3rd and 4th. Chapters ;—

Science:— Peschet's Natural Philosophy Vol. II. Whewell's Mechanics (only first division), Library of Useful Knowledge; Physical and Mathematical Geography, Hall's Differential Calculus to the end, and first six chapters (only the first division) to repeat Trigonometry and Analytical Geometry of two dimensions (only the first division); Bridge's Algebra (to the second division); Hutton's Spherical Trigonometry, the whole; Hutton's Analytical Geometry of two divisions; Drawing (Optional).

COURSE OF STUDY DURING THE YEAR 1849

2nd Class.

History :—Brief Survey of History Part II Pincocks Goldsmith's History of England the whole.

^9

Literature ;—Richardson's Selections. 100 columns Goldsmith's Geography to the end.

Science :—Rickett's Natural Philosophy (Mechanics) ; Euclid, Book III and IV ; Bridge's Algebra to simple Equations; Boonycastle's Arithmetic to the end ; Composition and Translation , Drawing (Optional) Nagree (Prem Sagar) Persian (Optional), but all attend.

COURSE OF STUDY DURING THE YEAR 1849

ENGLISH DEPARTMENT :-

(FIRST CLASS, FIRST DIVISION)

1. Shakespear's Tempest and Richard III.

2. Bacon's Essays, the whole.

3. Schlegel's History of Literatue the 7 first Lectures.

4. Reid's Inquiry into the Human Mind the whole.

5. Stewart s Elements of the Philocophy of the Human Mind to page 276.

6. Hume's History of England. Reign of Edward VI and Mary.

7. Gibbon's Roman Empire. 64th. 65th. chapters.

8. Tytler's Universal History, 1st. and 2nd book.

9. Smith's Wealth of Nations, 1st. Book.

10. Trail's Physical Geography, the whole.

11. Hall's Integral Calculus, 1st. sub-division 7th. Chapter of 2nd. Ed.

12. Hall's Differential Calculus, 6th. 7th. and 8th. Chapters.

13. Wand's Analytical Geometry, 9th. and 10th. chapters, 1st. Division, and chapter 1st. to 6th. inclusive 2nd division.

14. Rutherford's course of Hutton's Mathematics, 1st. Sub-Division; Dynamics and 2nd. Sub-Division; Statics.

15. Composition.

16. History of England in Nagree. 5th. Chapter.

17. Drawing and Surveying.

FIRST CLASS SECOND DIVISION.

1 Richardson's Selections; Macbeth; Essay on Criticism; Thompson's Seasons and Castle of Indolence and Spencer's Fairy Queen.

2. Bacon's Essays with the 1st. Division.

3. Reid's Inquiry into the Human Mind with the first Division

4. Tytler's Universal History with the 1st. Division.

5. Mavland's Political Economy from page 224 to the end

6 Trail's Physical Geography with the 1st. Division

7 Hydrostatics and Dynamics. L. U. K.

8. Bridge's Algebra, Chapters 10th. and 11th.

9. Euclid's Geometry 12th. Book.

91

10. Snowball's Trigonometry Spherical from 1st. to 4th. Chapters.

11. Plane from 1st. to be reviewed.

12. Rutherford's Course of Hutton's Math. Com. Sections; the Parabola and Ellipse.

13 Composition.

14. History of England in Nagree 5 chapters

15. Drawing and surveying.

SECOND ENGLISH CLASS

1. Richardson's Selections; Hutton's 3rd. and 4th. Book and Hamlet.

2. Graham's English Composition the whole.

3. Abercrombie's Intellectual Powers; Part 1st. and 2nd. and 3rd. sections of part III.

4. Pinncok's History of England the whole.

5. Mayland's Political Economy to page 224.

6. Physical and Mathematical Geography, L. U. K. the whole.

7. Mechanics, L. U. K. Second Treatise

8. Bridge's Algebra to the end of Quadratic Equations.

9. William's Symbolical Euclid 4th. and 11th. books.

10. Hind's Trigonometry, 3 first chapters.

11. Composition and Translation.

12. Stewart's Historical Anecdotes in Nagree, the whole.

13. Drawing and surveying.

THIRD ENGLISH CLASS:—

1. Poetical Reader No. 3 Chapters 2nd. and 3rd.
2. Goldsmith's History of England.
3. Introduction to Natural Philosophy, Mechanics and Astronomy.
4. Woodbridge's Geography pp. 16-62 and 89-172.
5. Bridge's Algebra to the end of simple Equations.
6. Playfair's Geometry, the four first Books.
7. Translation and Dictation.
8. Hindee Tables in Nagree.

COURSE OF STUDY DURING THE YEAR 1851.

FIRST ENGLISH CLASS 18 PUPILS :—

1. Shakespear's Midsummer Night's Dream.
2. Dryden's Absolam and Achitophal and Pope's Essay on Criticism.
3. Bacon's Advancement of Learning.
4. Waren's Selections from Blackstone as far as 205 pages.
5. Elphinstone's History, 1st. Vol.
6. Keightley's England from the Accession of James I to the Revolution of 1688.
7. Hymer's conic sections, with the exception of General Equations.
8. Wood's Mechanics.
9. Hall's Differential Calculus, three first chapters.
10. Revision of Algebra, Geometry and Plane Trigonometry.

11. Composition.
12. Drawing.
13. Surveying.
14. Urdu.

SECOND ENGLISH CLASS, EIGHTEEN PUPILS:—

1. Goldsmith's Deserted Village and Traveller.
2. Hutton's First book of Paradise Lost.
3. Goldsmith's Citizen of the World. Cal Ed. to letter [illegible] inclusive.
4. Keightley's Rome.
5. Wayland's Political Economy : Book I.
6. Geometry, Revision of 1st. 2nd. and 3rd. Books and the 4th. 6th. and 11th.
7. Bridge's Algebra, to page 186, with the omission of Unlimited Problems.
8. Composition.
9. Drawing.
10. Prem Sagar 152 pp.
11. Translation from English into Urdu.

COURSE OF STUDY DURING 1853

FIRST ENGLISH CLASS IN LITERATURE.

1. Shakespear's Hamlet.
2. Milton's Paradise Lost.
3. Bacon's Essays.
4. Mackintosh's Ethical Philosophy.
5. Elphinstone's History of India.
6. Soda's Ghazals. (Urdu).

FIRST CLASS FIRST DIVISION IN MATHS:—

1. Differential and Integral Calculus.
2. Mechanics and Conic Section.
3. Webster's Hydrostatics.

FIRST SECOND DIVISION IN MATHS.:—

1. Mechanics.
2. Hammer's Conic Section.
3. Webster's Hydrostatics.
4. Surveying.
5. Drawing.

SECOND CLASS IN LITERATURE AND MATHS:-

1. Addison's Spectator. 100 pages.
2. Pope's Essay on Criticism.
3. Dryden's Absolom and Achitophel.
4. Keighthley's History of England Vol. I with corresponding Geography.
5. Anwar-e-Saheli, in Urdu.
6. Bagh-o-Bahar in Urdu.
7. Plane Trigonometry and the nature and use of Logarithims.
8. Algebra as far as the Geometric Progression.
9. Euclid 21st. Proposition 11th. Book with revision of whole..

THIRD ENGLISH CLASS, IN LITERATURE & MATHS:—

1. Goldsmith's Traveller.
2. Campbell's Pleasure of Hope.
3. Goldsmith's Essays to 61st. Letter.
4. Marshman's India the Whole.
5. Euclid 6 Books, 21st. Prop. of the 11th. book.
6. Bridge's Algebra as far as Quadratic Equations.
7. Natural Philosophy.
8. Gul-e-Bakavali in Urdu.
9. Mofeed Sibian in Urdu.

وظائف۔ فیس۔ تعدادِ طلبا

جس وقت گورمنٹ کالج کے قیام کی تجویز درپیش تھی تو مقامی مجلس نے بہت پُرزور سفارش کی تھی کہ مشرقی دستور کے مطابق بعض طلبا کو وظائف ضرور دیے جائیں تاکہ وہ آسانی سے اپنی تعلیم جاری رکھ سکیں۔ جنرل کمیٹی نے اس تجویز کو منظور کیا اور کالج کے ہر شعبے یعنی فارسی، عربی اور سنسکرت کے شعبوں کے لیے چند چند وظائف تجویز کیے۔ پہلے سال جب کالج کا افتتاح ہوا تو وظیفہ خوار طلبا کی تعداد ۵۰ تھی، دوسرے سال ۸۰ ہو گئی۔ ان میں سے ہر ایک طالبِ علم کو تین تین رُپے ماہوار وظیفہ دیا جاتا تھا، ۱۸۲۸ء میں وظائف کی تعداد میں بہت بڑا اضافہ ہوا اور وظیفہ خوار طلبا کی تعداد ۲۰۹ ہو گئی اور ان کے دس درجے مقرر کیے گئے جن کی مقدار ایک رُپے سے لے کر چھ رُپے تک تھی۔ یعنی ادنیٰ جماعتوں میں ایک رُپیہ وظیفہ دیا جاتا تھا جو بڑھتے بڑھتے اعلیٰ جماعتوں میں چھ رُپے ہو جاتا تھا۔ لیکن اس قدر مختلف مدارج موجبِ دشواری ثابت ہوئے اور آخر دو شرحیں معین کی گئیں ایک دو رُپے کی اور دوسری پانچ رُپے کی۔ یعنی داخلے کی تاریخ سے طالبِ علم کو دو رُپے وظیفہ دیا جاتا تھا اور جب وہ پڑھ لکھ کر کافی استعداد حاصل کر لیتا تو پانچ رُپے کر دیا جاتا۔

تجربے سے یہ سب طریقے ناقص ثابت ہوئے اور ضرورت اس امر کی محسوس ہوئی کہ ادنیٰ وظیفوں کی تعداد کم کر کے اعلیٰ وظیفوں میں اضافہ کیا جائے۔ چنانچہ اس اصول کی بنا پر چند وظیفے آٹھ، دس اور سولہ رُپے ماہانہ کے مقرر کیے گئے۔ ۱۸۳۲ء کی سالانہ رپورٹ میں مذکور ہے

کہ جنرل کمیٹی کی رائے پر کسی قدر عمل درآمد ہوا ہے، یعنی دو نہایت مستعد اور قابل طالبِ علموں کو سولہ سولہ رُپے اور دو کو دس دس رُپے ماہانہ کے وظیفے دیے گئے ہیں۔

۱۸۳۵ء میں جہاں ہندستان کے نظامِ تعلیم میں اور انقلابات ظہور میں آئے تھے، ان میں ایک یہ بھی تھا کہ "گورنر جنرل بہ اجلاسِ کونسل طلبا کو زمانۂ تعلیم میں وظائف دینے کے عمل کو نہایت قابلِ اعتراض خیال کرتے ہیں..... اور اس لیے وہ ہدایت کرتے ہیں کہ آیندہ کسی طالبِ علم کو جو ان درس گاہوں میں داخل ہو کسی قسم کا کوئی وظیفہ نہ دیا جائے۔"

لارڈ بنٹنگ کے اس رزولیوشن کا اثر دلی کالج پر بھی پڑا۔ یہاں طالبِ علم مفت ہی نہیں پڑھتے تھے بلکہ وظیفے بھی پاتے تھے جو نادار طلبا کا ذریعۂ معاش تھا۔ نئے حکم کے رو سے وظیفے بند ہو گئے تو طلبا کی تعداد بھی گھٹ گئی۔ ذیل میں ۱۸۳۳ء سے ۱۸۳۸ء تک کا ایک نقشہ دیا جاتا ہے جس سے مشرقی اور انگریزی شعبے کے وظیفہ خوار اور غیر وظیفہ خوار طلبا کی تعداد معلوم ہو گی نیز یہ بھی ظاہر ہو گا کہ وظیفوں کی موقوفی سے تعدادِ طلبا پر کیا اثر پڑا۔

سنہ	شعبۂ مشرقی: وظیفہ خوار	شعبۂ مشرقی: غیر وظیفہ خوار	شعبۂ مشرقی: جملہ	شعبۂ انگریزی: وظیفہ خوار	شعبۂ انگریزی: غیر وظیفہ خوار	شعبۂ انگریزی: جملہ
۱۸۳۳	۲۴۳	۳۶	۲۷۹	۱۳۴	۱۸	۱۵۲
۱۸۳۴	۲۳۰	۱۸	۲۴۸	۱۲۹	۱۱	۱۴۰
۱۸۳۵	۲۱۷	۱۰	۲۲۷	۱۲۷	۶۱	۱۸۸

	شعبۂ مشرقی			شعبۂ انگریزی		
سنہ	وظیفہ خوار	غیر وظیفہ خوار	جملہ	وظیفہ خوار	غیر وظیفہ خوار	جملہ
۱۸۳۶	۱۶۴	۳۴	۱۹۸	۱۱۷	۵۰	۱۶۷
۱۸۳۷	۱۲۴	۱۷	۱۴۱	۶۸	۴۰	۱۰۸
۱۸۳۸	۸۹	۳۴	۱۲۳	۴۷	۴۱	۸۸

اس نقشے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وظیفہ خوار طلبا کی کس قدر کثیر تعداد تھی۔ ۱۸۲۳ء میں طلبا کی تعداد ۳۸۸ تھی ان میں وظیفہ خوار ۳۵۹ (اور بعض رپوٹوں کے بموجب ۳۶۵) تھی۔ دوسری طرف اس نقشے سے یہ بھی ظاہر ہے کہ وظیفوں کے بند ہو جانے سے ۱۸۳۶ء میں دفعتاً ۵۰ طالب علموں کی کمی ہوگئی اور دوسرے سال ۱۱۶ اور کم ہو گئے اور ۱۸۳۸ء میں کسی قدر اور کمی ہوئی نتیجہ یہ ہوا کہ یا تو ۱۸۳۳ء میں ۴۳۱ طالب علم تھے یا ۱۸۳۸ء میں ۲۱ رہ گئے۔ یعنی نصف سے بھی کم۔ یہ صرف وظیفوں کی موقوفی کی وجہ سے تھا اور اس سے کالج کو بہت نقصان پہنچا۔

اس سے یہی نہیں ہوا کہ طالب علموں کی تعداد کم ہوگئی بلکہ دوسری شکل یہ رونما ہوئی کہ طالب علم زیادہ مدت تک اپنی تعلیم جاری نہیں رکھ سکتے تھے اور اعلیٰ تعلیم سے محروم رہ جاتے تھے۔ چھوٹی موٹی تنخواہ کی بھی کوئی نوکری مل جاتی تھی تو تعلیم ترک کر کے اسے قبول کر لیتے تھے۔ دہلی میں طالب علمی کا زمانہ بالاوسط چار سال سے زیادہ نہ تھا۔ اس قلیل عرصے میں ظاہر ہے کہ تعلیم کسی طرح بھی مکمل نہیں ہو سکتی تھی۔

دلّی والوں نے اس کا بہت بُرا مانا تھا۔ تعلیم کے متعلق اس وقت

اور اس کے خیالات میں بہت بڑا فرق ہوگیا ہو اکثر طلبا نادار تھے اور بغیر امداد کے اپنی تعلیم زیادہ مدت تک جاری نہیں رکھ سکتے تھے اور سوائے گورمنٹ کی امداد کے دوسرا کوئی سہارا نہ تھا، چنانچہ مسٹر ٹامسن نے اپنے سعائنے کی یادداشت میں جو انھوں نے ۸ر اپریل ۱۸۴۱ء کو جنرل کمیٹی کی خدمت میں پیش کی، اس کی تصدیق کی ہو۔ وہ لکھتے ہیں کہ:-

" اہلِ دہلی اس قسم کی درس گاہ کی اعانت میں مالی امداد دینے کے لیے کسی طرح آمادہ نہیں۔ وہ ہمیشہ سے ان کالجوں کو خیراتی درس گاہیں سمجھتے آئے ہیں۔ مرفہ الحال لوگ اپنی اولاد کی تعلیم کا انتظام اپنے گھروں پر کر لیتے ہیں اور اگر ان میں سے کچھ ایسے کالجوں میں آتے بھی ہیں تو کالج کے کسی نام ور فاضل کی شہرت کی وجہ سے، کیوں کہ ان سے وہ کسی اور طرح فیض حاصل نہیں کر سکتے، لیکن شرقی کالج کبھی ایسے تھے اور نہ ہیں جیسے اس درجے کے کالج ہمارے ملک (انگلستان) میں ہوتے ہیں، جہاں ملک کے ہر طبقے کے لوگ تعلیم پاتے ہیں اور برابری کے دعوے سے تعلیم میں مقابلہ کرتے ہیں۔

لوگوں کے خیالات آسانی سے نہیں بدلا کرتے اور اب سوال یہ ہو کہ آیا ہماری کارروائیوں نے جو اس درس گاہ کے متعلق عمل میں آئی ہیں، لوگوں کے خیالات میں کوئی تبدیلی پیدا کی ہو یا نہیں۔ یہ سولہ سال سے قائم ہو اور اس عرصے میں بے شمار تجویزوں اور تحریکوں کا یکے بعد دیگرے تجربہ کیا گیا خاص کر ان تجویزوں کا جن سے طلبا کو اس کالج کی طرف کشش اور رغبت ہو۔ حال میں جو وظائف، خواہ رعایتی ہوں یا ترغیبی، مسدود کر دیے گئے تو یہ کالج

بیٹھ ہی گیا۔"

تعلیم کے روشن خیال حامیوں نے جن میں لوکل کمیٹی کے ارکان بھی شریک تھے اس خرابی کو محسوس کیا اور جنرل کمیٹی کو ان خرابیوں کی طرف توجہ دلائی۔ جنرل کمیٹی نے تعدادِ طلبا کی کمی اور جلد تعلیم ترک کر دینے پر افسوس ظاہر کیا لیکن یہ لکھا کہ وہ وظائف کے اس طریقے کو پھر جاری کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہے جو ایک مدت کے تجربے کے بعد ناکام ثابت ہوا ہے۔ ان لوگوں نے بہت سر پٹکا مگر کچھ پیش نہ گئی۔

۱۸۳۷ء میں جب لارڈ آکلنڈ نے دہلی کالج کا معائنہ فرمایا تو انھیں اس معاملے سے آگاہی ہوئی کیونکہ دہلی کالج وظیفہ خواری کا بہت بڑا مرکز تھا۔ لارڈ صاحب نے تعلیمی کمیٹی کو اس مسئلے کی طرف متوجہ کیا اور ممتاز طلبا کو وظیفے دینے کی ہدایت کی۔

۱۸۳۹ء میں جب تعلیم کا عام مسئلہ گورنمنٹ کے سامنے پیش ہوا تو وظیفے کا معاملہ بھی زیرِ بحث آیا اور تعلیمی کمیٹی کو ہدایت کی گئی کہ جہاں تک جلد ممکن ہو وظائف کی اسکیم کے متعلق رپوٹ پیش کرے۔ وظائف کے اصول یہ ہونے چاہییں کہ ان کی تعداد محدود ہو اور محدود زمانے کے لیے ہوں اور صرف انھی طلبا کو دیے جائیں جو قابلیت اور محنت کی بنا پر ممتاز ہوں۔ نیز گورنر جنرل بہادر کو کوئی اعتراض نہ ہوگا اگر چار طالب علموں کے پیچھے ایک کو ایسا وظیفہ دیا جائے۔ شرط یہ ہونی چاہیے کہ اگر سالانہ امتحان میں تعلیمی حالت قابلِ اطمینان نہ پائی گئی تو مسدود کر دیا جائے گا۔

غرض اس تجویز کے مطابق ترغیبی یعنی قابلیت کے وظیفے جاری ہو گئے۔ اس کے بعد مقامی مجلس نے پھر جنرل کمیٹی سے درخواست

کی کہ رعایتی وظیفے جن سے طلبا کی پرورش منظور ہے، دوبارہ جاری کیے جائیں کیوں کہ ایک تو یہ ہمارا قدیم دستور ہے دوسرے لوگ اس قدر محتاج اور نادار ہیں کہ ان کے بچّوں کے لیے یہ طریقہ بہت مناسب ہوگا۔ جنرل کمیٹی نے جواب دیا کہ ہمارا مقصد صرف یہی نہیں ہے کہ نادار اور محتاج لوگوں کے بچّوں کی تعلیم کا انتظام کریں بلکہ اس کے مقاصد اس سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہیں۔ اس سے ہمارا منشا کفایت شعاری نہیں ہے بلکہ دیگر وجوہ کی بنا پر ہمارا یہ یقین ہے کہ یہ تبدیلی جو کی گئی ہے وہ بہت مناسب ہے۔

اس کے چند مہینے بعد مسٹر ٹامسن نے عارضی طور پر رعایتی وظیفوں کے پھر جاری کرنے کے متعلق تجویز پیش کی۔ انھوں نے لکھا کہ مسلمان ہمیشہ مدارس اور کالجوں کو غریب طالب علموں کے لیے خیراتی ادارے سمجھتے آئے ہیں۔ اس لیے ان کی رائے میں تین رُپے ماہانہ کے رعایتی وظیفے امداد کے طور پر کافی ہوں گے۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے یہ تجویز کی کہ ان وظیفوں کے حاصل کرنے کے لیے ایک حد تک استعداد کی شرط بھی لگا دی جائے تاکہ بے کار اور کاہل لڑکے نہ آنے پائیں۔

اس تجویز کے مطابق یہ رعایتی وظیفے جو پرورش کے وظیفوں اور ترغیبی وظیفوں کے بین بین تھے، جاری کیے گئے۔ اس کا فوری اثر یہ ہوا کہ نیچے کی جماعتوں میں طلبا کی تعداد بڑھ گئی۔ جنرل کمیٹی نے بھی اسے محسوس کیا مگر اس نے اس سے دوسرا ہی نتیجہ نکالا۔ اس کی رائے میں یہ صحیح اصول نہیں ہے کہ طالبِ علموں کی مالی امداد دے کر تعلیم کی ترغیب دی جائے۔ چند ماہ کے تجربے کے بعد یہ وظیفے تو بند ہو گئے اور ترغیبی یعنی لیاقت کے وظیفے قائم رہ گئے۔

۱۸۴۳ء کی رپوٹیں دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں کالج میں دو قسم کے وظائف تھے ایک سینیر یعنی اعلیٰ اور دوسرے جونیر یعنی ادنیٰ، جن کی تفصیل یہ ہے:-

۱	سینیر اسکالرشپ	فی	۴۰
۱	" "	"	۳۰
۲	جونیر "	"	۲۵
۴	" "	"	۸
۴	" "	"	۶
۱۳	" "	"	۴

سینیر اسکالرشپ کے امتحان کے لیے حسبِ ذیل مضامین میں تیاری کرنی پڑتی تھی (۱) انگریزی ادب (۲) تاریخ (۳) قانون (بلیکسٹن) (۴) معاشیات (۵) پیلی (Paley) کی نیچرل تھیالوجی (۶) ریاضی (۷) عربی یا سنسکرت۔

اس سال یہ قرار پایا کہ چالیس روپے سے زیادہ اور آٹھ روپے سے کم کوئی وظیفہ نہ دیا جائے۔ اس سے پہلے اعلیٰ طالب علم کو پچاس روپے وظیفہ دیا جاتا تھا اور وظیفے کی رقم کم سے کم آٹھ روپے ہوتی تھی۔

۱۸۴۵ء میں انگریزی شعبے میں، چھ سینیر اور چار جونیر وظیفہ خوار تھے۔ مشرقی شعبۂ عربی میں سینیر اسکالر دس اور جونیر ۱۳ تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو تجویز ۱۸۴۳ء میں سینیر اور جونیر وظیفوں کی شرح کے متعلق ہوئی اس پر ہمیشہ عمل درآمد نہیں ہوا اور شرح میں کچھ نہ کچھ تبدیلی ہوتی رہی۔ مثلاً ۱۸۴۶-۴۷ء

میں پانچ اعلیٰ وظیفے دیے گئے جن میں سے دو تیس تیس کے تھے ایک پچیس کا دو اٹھارہ اٹھارہ کے۔ تیس طلبا کو ادنیٰ وظیفے ملے جن کی مقدار آٹھ رُپے سے چار رُپے تک تھی۔

اب تک یہ وظیفے دلّی والوں ہی کو ملتے تھے لیکن اس سال قرب و جوار کے فارسی طلبا کو بھی ادنیٰ وظائف کے مقابلے کے لیے دعوت دی گئی۔ باہر سے ۲۸ طالب علم شریک ہوئے جن میں سے سات نے چار چار رُپے ماہانہ کا وظیفہ حاصل کیا۔

۴۸-۱۸۴۷ء میں انگریزی شعبے میں اعلیٰ وظیفے پانے والے ۹ اور ادنیٰ وظیفے پانے والے ۲۵ تھے جن میں سے بائیس کو چار چار رُپے ماہانہ وظیفہ ملتا تھا۔ شعبۂ عربی میں اعلیٰ وظیفے خوار ۹ اور ادنیٰ ۱۸ تھے۔ شعبۂ فارسی میں ایک اعلیٰ اور تین ادنیٰ وظیفے والے تھے جن میں سے ۱۹ کو چار چار رُپے ماہانہ وظیفہ ملتا تھا۔

۱۸۴۸ء میں ۳۵ بیرونی طلبا نے فارسی وظیفے حاصل کرنے کی کوشش کی جن میں سے دس کام یاب ہوئے۔

۱۸۴۹ء میں انگریزی شعبے میں ۱۴ نئے طلبا کو تیس سے پانچ رُپے ماہانہ تک کے وظیفے دیے جاتے تھے اور ۲۹ وظیفے چار چار رُپے کے تھے۔

شعبۂ مشرقی (عربی) میں سالِ گزشتہ کے وظیفہ خواروں کے علاوہ چار اعلیٰ وظیفے پانے والے اور آٹھ ادنیٰ وظیفے والے تھے۔ جن میں

ل‍ه رام چندر ۳۰ رُپے، دھرم نراین ۳۰ رُپے، شیونراین ۲۵ رُپے، موتی لال ۱۸ رُپے، امیر خاں ۱۸ رُپے

ایک طالبِ علم نذیر احمد بھی تھا (یعنی دلی کے مولوی نذیر احمد) ان کے سوا، ۸ طلبا کو چار چار رُپے وظیفے دیے جاتے تھے۔ شعبۂ فارسی میں چار ادنیٰ وظیفے پانے والے تھے جن میں ایک ذکاء اللہ بھی تھے۔ سنسکرت کے شعبے میں ایک اعلیٰ وظیفہ پاتا تھا اور سات کو چار چار رُپے کا وظیفہ ملتا تھا۔

اس سال ۶۲ بیرونی طلبا عربی فارسی کے وظیفے کے مقابلے کے لیے شریکِ امتحان ہوئے۔ مفتی صدر الدین صاحب نے امتحان لیا ان میں سے ۶ وظیفے کے قابل نکلے۔

اس سال کے لیے سرکار نے چھ سو چھیانوے رُپے وظائف کے لیے منظور کیے۔ مشرقی شعبے میں مفصلۂ ذیل مضامین اعلیٰ وظیفے کے لیے تجویز کیے گئے:۔

عربی۔ مقاماتِ حریری (اوّل نصف)، شرحِ وقایہ نصف۔ نفحۃ الیمن۔
ترجمہ از اُردو۔ اقلیدس، چھ مقالے۔ الجبرا تا ساوات درجۂ چہارم، جغرافیہ۔ تاریخِ ہند۔

فارسی۔ سہ نثرِ ظہوری تمام۔ دیوانِ حافظ نصف۔ ترجمہ از اُردو۔ اقلیدس چار مقالے۔ الجبرا تا مساوات درجۂ دوم۔ جغرافیہ۔ تاریخِ ہند۔

سنہ ۱۸۵۱ء میں انگریزی شعبے میں گیارہ اعلیٰ وظیفے پانے والے اور چھ ادنیٰ وظیفے والے تھے، عربی شعبے میں ۱۴ اعلیٰ کے اور ۱۲ ادنیٰ کے فارسی شعبے میں پانچ اعلیٰ اور نو ادنیٰ، سنسکرت میں ایک اعلیٰ اور دس ادنیٰ وظیفہ پاتے تھے۔

سنہ ۱۸۵۳ء وظائف کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی۔ انگریزی شعبے میں

اعلیٰ وظائف بارہ تھے جن میں تین پچیس پچیس کے ایک بیس کا تین بارہ بارہ کے اور پانچ نو نو کے اور ادنیٰ وظائف ۲۸ تھے جن میں ایک آٹھ کا دو چھ چھ کے، دس پانچ پانچ کے اور باقی چار چار کے۔ عربی شعبے میں چودہ اعلیٰ دو بارہ بارہ کے اور باقی نو نو کے اور ۱۰ ادنیٰ ایک چھ کا ایک پانچ کا باقی چار چار کے۔ فارسی شعبے میں دو اعلیٰ نو نو کے اور انیس ادنیٰ ایک سات کا دو پانچ پانچ کے اور باقی چار چار کے اور سنسکرت میں ایک اعلیٰ نو رُپے کا اور گیارہ ادنیٰ چار چار رُپے کے تھے۔

غدر کے بعد جب کالج دوبارہ کھلا تو اس کا تعلق ممالکِ مغربی شمالی کے بجائے پنجاب گورمنٹ سے ہو گیا اور وظائف میں بھی کمی ہو گئی۔ چنانچہ ۱۸۶۵ء دربار میں جو دلی میں ہوا، ڈایرکٹر پبلک انسٹرکشن نے اپنے ایڈریس میں اس اُمر کا خود اقبال کیا ہے کہ "دلی کالج کے طلبا کو اگرچہ اب وظائف کی رقم گزشتہ زمانے کے مقابلے میں جب وہ حکومتِ ممالکِ مغربی شمالی کے تحت میں تھا، نسبتاً چھٹا حصہ دی جا رہی ہے" وظائف ہی کم نہیں ہوئے تھے بلکہ قواعد بھی سخت ہو گئے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ طلبا کی تعداد میں کمی واقع ہونے لگی۔ پرنسپل صاحب کو اس سے بہت تشویش ہوئی اور انھوں نے لفٹنٹ گورنر کو رپوٹ کی کہ اگر یہی لیل و نہار رہے تو پنجاب کے کالج بہت جلد بیٹھ جائیں گے۔ انھوں نے بطور نظیر یہ بھی لکھا کہ آگرہ اور بریلی میں حکومتِ ممالکِ مغربی شمالی وظائف کے معاملے میں بڑی فیاضی سے کام لے رہی ہے۔

۱۸۶۵ء میں وظائف کی تعداد یہ تھی۔ بی۔ اے سال سوم میں تین، سالِ دوم میں چھ، سالِ اوّل میں نو۔ باقی کم درجے کے وظائف

اسکول میں دیے جاتے تھے جن کی تعداد ۳۴ تھی۔

میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ دلی کالج میں تعلیم مفت ہی نہیں بلکہ وظیفے بھی ملتے تھے اور شروع شروع میں تقریباً سب ہی وظیفے خوار تھے اور چند جنھیں وظیفہ نہیں ملتا تھا بغیر فیس کے تعلیم پاتے تھے۔ ۱۸۴۲ء میں لوکل کمیٹی (مقامی مجلس) دہلی نے یہ رپوٹ کی کہ ان کے خیال میں دلی کا کوئی باشندہ تعلیم کی اجرت دینے پر آمادہ نہ ہوگا، خواہ وہ انگریزی شعبے میں پڑھتا ہو یا فارسی شعبے میں، بلکہ مفت تعلیم دینے پر بھی چند ہی طالب علم داخل ہونے کے لیے آئیں گے۔

کئی سال تک یہ معاملہ یونہیں رہا اور فیس کے متعلق کوئی تحریک نہیں ہوئی۔ ۱۸۴۴ء میں اس کی ابتدا انگریزی شعبے سے ہوئی اور وہ اس طرح کہ کالج میں داخل ہونے کے لیے فیس داخلے کی شرط لگا دی گئی۔ کمیٹی نے اس بارے میں یہ لکھا ہے کہ اس سال گزشتہ سالوں کے مقابلے میں حاضری باقاعدہ اور اچھی رہی اور یہ فیس داخلے کا طفیل ہے۔ اگرچہ اس کی مقدار بہت خفیف ہے تاہم طلبا اور ان کے والدین کی نظروں میں تعلیم کی وقعت بڑھ گئی ہے، جو پہلے نہیں تھی۔

دوسرے ہی سال مقامی مجلس نے تجویز کی کہ اس قاعدے کا نفاذ شعبۂ مشرقی پر بھی کیا جائے اور گورمنٹ میں اس کے متعلق تحریک کی گئی۔ لفٹنٹ گورنر بہادر نے جواب میں یہ لکھا کہ اگر مجلس کو اپنی تجویز کے قرین مصلحت ہونے پر کامل وثوق ہے تو وہ فیس لگا سکتی ہے لیکن "ہم ابھی نوجوانوں کو زیادہ تر اپنی درس گاہ کی روشن خیالی کے اثر میں لانے کے خواہش مند ہیں جو آیندہ چل کر اپنے اہلِ وطن کی نظروں

میں اپنی قدیم عالمانہ زبانوں کے فاضل سمجھے جائیں گے۔ اس لیے ان کے داخلے کے لیے ہمارا دروازہ جہاں تک ممکن ہو کھلا رہنا چاہیے" اس کا منشا صاف ہے۔ مشرقی السنہ و علوم کے عُلَما اور طلبا دونوں کو مغربی علوم اور گورمنٹ کی نیت کی طرف سے سوءِ ظن تھا۔ انگریزی شعبے والوں کی طرف سے تو انھیں اطمینان تھا کہ وہ انگریزی زبان اور علوم پڑھ کر رستے پر آجائیں گے لیکن مشرقی خیالات والوں کی طرف سے گورمنٹ بھی اتنی ہی بدظن تھی جتنے وہ مغربی خیالات اور گورمنٹ سے تھے، اس لیے گورمنٹ ان کو مائل کرنے کے لیے ہر قسم کی رعایت کرنے اور سہولت بہم پہنچانے کے لیے آمادہ تھی۔

چند سال بعد پھر تحریک ہوئی کہ مشرقی شعبے سے بھی فیس داخلہ وصول کی جائے۔ اس مرتبہ گورمنٹ نے منظوری دے دی۔

اس کے بعد دوسرا درجہ یہ تھا کہ انگریزی شعبے والوں سے ماہانہ فیس وصول کی جائے۔ سنہ ۱۸۴۶ء میں اس کا تجربہ کیا گیا لیکن کچھ زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ فیس والدین کی آمدنی کے تناسب سے قائم کی گئی اور جن کی آمدنی ۲۵ رُپے ماہانہ سے زیادہ نہ تھی وہ فیس سے مستثنیٰ تھے۔ اس اصول کے عمل درآمد سے معلوم ہوا کہ شاید ہی کوئی ایسا شخص ہوگا جس کی آمدنی ۲۵ رُپے ماہانہ سے زیادہ ہو، لہٰذا چند ہی طالبِ علم ایسے نکلے جن سے فیس وصول ہوئی اور جو رقم وصول ہوئی وہ بہت ہی حقیر تھی۔ یعنی جملہ تعداد طلبا ۳۴۴ تھی اس میں سے صرف ۱۶ طالبِ علم ایسے تھے جو فیس ادا کرتے تھے اور فیس کی کل آمدنی اُنیس رُپے ہوئی۔ اس سے اہلِ دہلی کی خوش حالی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ آخر سنہ ۴۸-۱۸۴۷ء میں یہ شرح

اختیار کی گئی ۔

والدین کی آمدنی	فیس تعلیم
سو رُپے سے زیادہ	پانچ رُپے
ستر اور یا سو سے کم	تین رُپے
پینتیس اور ستر سے کم	آٹھ آنے

آمدنی کے لحاظ سے فیس کی شرح قائم کرنا اگرچہ بہ ظاہر بہت منصفانہ اور معقول طریقہ معلوم ہوتا ہے، لیکن اس میں بہت سی دشواریاں ہیں ۔ اس کا تجربہ مختلف کالجوں میں کیا گیا اور ہر جگہ ناکامی ہوئی آخر اسے ترک کرنا پڑا ۔ لیکن دلّی کالج میں یہ طریقہ ۱۸۵۲ء تک برابر جاری رہا ۔

ماہانہ فیس کا قاعدہ مشرقی شعبے میں بھی جاری کیا گیا لیکن نرمی کے ساتھ ۔ چنانچہ ۱۸۵۰ء میں فارسی شعبے میں ۱۶، عربی شعبے میں ۲۷ اور سنسکرت شعبے میں ۳ طالب علم فیس ادا کرتے تھے ۔

ذیل کے نقشے سے ہر سال کی تعدادِ طلبا اور مقدارِ فیس معلوم ہوگی ۔

سنہ	جملہ تعدادِ طلبا	تعدادِ فیس دہندہ	مقدارِ فیس سالانہ
۱۸۳۵ — ۳۶	۳۶۴	۰	۰
۱۸۳۶ — ۳۷	۲۴۹	۰	۰
۱۸۳۷ — ۳۸	۲۱۱	۰	۰
۱۸۳۸ — ۳۹	۲۲۶	۰	۰
۱۸۳۹ — ۴۰	۱۸۹	۰	۰
۱۸۴۰ — ۴۱	۱۶۶	۰	۰
۱۸۴۱ — ۴۲	۲۲۶	۰	۰

سنہ	جملہ تعدادِ طلبا	تعدادِ فیس دہندہ	مقدارِ فیس سالانہ
۱۸۴۲—۴۳	۲۸۶	۰	۰
۱۸۴۳—۴۴	۳۰۵	۰	۰
۱۸۴۴—۴۵	۳۶۰	۰	۰
۱۸۴۵—۴۶	۳۷۵	۰	۰
۱۸۴۶—۴۷	۳۳۴	۱۶	۱۹۲
۱۸۴۷—۴۸	۲۵۹	۱۲	۳۲۱
۱۸۴۸—۴۹	۳۳۹	۷۷	۶۲۲
۱۸۴۹—۵۰	۳۳۶	۱۲۵	۹۵۸
۱۸۵۰—۵۱	۳۳۳	۱۸۱	۱۳۵۸
۱۸۵۲—۵۳	۳۱۵	۲۳۰	۱۹۱۰
۱۸۵۳—۵۴	۲۳۳	۲۲۹	۲۰۸۲
۱۸۵۶—۵۷	۳۴۵		۲۳۰۵-۱-۳

اس نقشے پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ ۱۸۳۵ء اور ۱۸۴۱ء کے
درمیان تعدادِ طلبا بہت کم ہوگئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ طلبا کے وظیفے
بحکمِ سرکار بند ہوگئے تھے۔ جب ۱۸۴۱ء میں ادنیٰ رعایتی وظیفوں کی تعداد
زیادہ کردی گئی تو ادنیٰ جماعتوں میں فوراً حیرت انگیز اضافہ ہوگیا یعنی یا
تو ۱۶۶ طلبا تھے یا دفعتاً ۳۲۶ یا جیسا کہ سالانہ رپوٹ میں درج ہے ۲۶۴
ہوگئے۔ کچھ دنوں بعد جب رعایتی وظائف ترغیبی یا لیاقت کے وظیفوں
میں تبدیل ہوگئے تو تعداد پھر گھٹ گئی۔ اس کے بعد پھر اضافہ ہوا
لیکن تعلیمی فیس جاری ہونے پر پھر کچھ ہونے لگی، اس کے بعد سے

تعداد قریب قریب ایک ہی سی رہی۔ البتہ ۱۸۵۲ء میں تعداد میں کسی قدر کمی نظر آتی ہے یہ وہ سال ہے جب ماسٹر رام چندر اور ڈاکٹر چمن لال نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اور شہر والوں میں بڑا خلفشار پیدا ہو گیا تھا اور لڑکوں نے اپنے نام کالج سے کٹوا لیے تھے۔

ذیل کے نقشے سے طلبا کی تعداد بہ لحاظِ مذہب او۔ بہ لحاظِ تعلیم مختلف السنہ معلوم ہو گی۔

تعدادِ متعلمین

سنہ	ہندو	مسلمان	عیسائی	انگریزی	فارسی	عربی	سنسکرت
۱۸۳۵-۳۶	۲۰۱	۱۵۸	۵	۱۶۶	۸۱	۶۱	۵۶
۱۸۳۶-۳۷	۱۳۴	۱۰۸	۷	۱۰۸	(مشرقی السنہ کے کل طلبا ۱۴۱)		
۱۸۳۷-۳۸	۱۱۴	۸۹	۸	۸۸	۵۶	۳۵	۳۲
۱۸۳۸-۳۹	۱۴۰	۸۰	۶	۱۲۳	۳۹	۳۵	۲۹
۱۸۳۹-۴۰	۱۰۵	۷۳	۱۱	۸۵	۳۹	۴۱	۲۴
۱۸۴۰-۴۱	۹۳	۷۰	۳	۸۴	۳۴	۲۸	۸۲
۱۸۴۱-۴۲	۲۱۴	۱۰۲	۱۰	۱۵۷	۱۴۶	۱۶	۴۶
۱۸۴۲-۴۳	۱۳۶	۱۲۸	۱۲	۱۲۴	۷۵	۴۰	۳۶
۱۸۴۳-۴۴	۱۷۹	۱۱۱	۱۵	۱۶۲	۵۳	۵۸	۳۲
۱۸۴۴-۴۵	۲۹۹	۱۳۶	۱۵	۲۴۵	۱۰۹	۷۵	۳۱
۱۸۴۵-۴۶	۲۳۰	۱۳۲	۱۳	۱۹۶	۱۱۵	۶۶	۲۴
۱۸۴۶-۴۷	۲۰۹	۱۰۷	۱۸	۱۹۸	۵۸	۶۵	۲۳

تعدادِ متعلمین

سنہ	ہندو	مسلمان	عیسائی	انگریزی	فارسی	عربی	سنسکرت
۱۸۴۷ - ۴۸	۲۴۴	۱۰۹	۱۶	۲۳۱	۴۳	۷۲	۱۷
۱۸۴۸ - ۴۹	۲۲۲	۱۰۵	۱۲	۲۲۶	۴۷	۵۶	۱۷
۱۸۴۹ - ۵۰	۲۳۱	۹۴	۱۱	۲۲۴	۶۱	۴۳	۱۹
۱۸۵۰ - ۵۱	۲۰۶	۱۰۵	۲۲	۲۲۲	۵۶	۳۹	۱۸
۱۸۵۲ - ۵۳	۲۱۷	۹۳	۱۰	۲۰۹	۵۷	۳۹	۲۵
۱۸۵۳ - ۵۴	۲۰۶	۱۱۲	۱۵	۲۱۱	۵۷	۳۸	۲۷
۱۸۵۴ - ۵۵	۲۴۳	۹۷	۱۰	۲۱۷	۷۷	۳۳	۲۳
۱۸۵۵ - ۵۶	۱۵۸	۸۳	۴				

ان اعداد کے بہم پہنچانے میں بڑی دِقّت پیش آئی۔ سرکاری مطبوعہ رپوٹوں میں اعداد کے متعلق بہت بے احتیاطی کی گئی ہر اور اس لیے مختلف کاغذات کو دیکھ کر ان کی تصحیح کی گئی ہر۔ اس نقشے کو دیکھ کر کسی قدر تعجب ہوگا کہ اُردو کا کہیں نام نہیں۔ سرکاری رپوٹوں میں اُردو کے اعداد نہیں دیے گئے۔ نصابِ تعلیم وغیرہ کے کاغذات دیکھنے سے یہ معلوم ہوا کہ تقریباً کالج کے سب کے سب طالبِ علم اُردو پڑھتے تھے، اس کے متعلق نصابِ تعلیم میں ذکر ہو چکا ہر۔

دو باتیں اور نظر آتی ہیں ایک یہ کہ عیسائیوں کی تعداد کم ہوتی چلی گئی ہر اس کی وجہ بیان ہو چکی ہر کہ اینگلو انڈین لوگوں نے اپنے مدارس الگ کھول لیے تھے۔ دوسرے یہ کہ سنہ ۵۱ - ۱۸۵۰ء تک سنسکرت کے طلبا کی تعداد رفتہ رفتہ کم ہو رہی تھی چنانچہ اس بِنا پر یہ خیال تھا

کہ سنسکرت نصابِ تعلیم سے خارج کردی جائے لیکن گورنمنٹ نے یہ مناسب خیال نہ کیا۔ اس کے بعد تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔

غدر کے بعد جب کالج دوبارہ کھلا تو اس کی حالت بہت کچھ بدل گئی تھی، کالج کا تعلق پہلے ہی پنجاب گورنمنٹ سے ہو گیا تھا اور طلبا کلکتہ یونیورسٹی میں امتحان دیتے تھے اور وہیں کا نصابِ تعلیم بھی رائج ہو گیا تھا، اُردو کا چرچا کم ہو گیا اور ترجمہ و تالیف کا سلسلہ بھی برائے نام رہ گیا تھا۔

سنہ ۶۵-۱۸۶۴ء میں ایف۔ اے کی جماعتیں قائم ہوئیں، جن میں ۱۵ طالبِ علم شریک تھے۔ آٹھ سالِ دوم میں اور سات سالِ اوّل میں۔ ہائی اسکول میں طلبا کی کل تعداد ۱۵۶ تھی۔ بعد ازاں سن سٹیفن کالج کے طلبا جو کالج کی جماعتوں میں پڑھتے تھے دلّی کالج ہی میں منتقل کر دیے گئے۔

سنہ ۶۷-۱۸۶۶ء میں بی۔ اے کی جماعت بھی کھل گئی۔ سالِ سوم میں ۲، سالِ دوم میں ۱۱، اور سالِ سوم میں گیارہ طالبِ علم تھے۔ ہائی اسکول میں طلبا کی تعداد ۱۳۵ تھی۔

سنہ ۷۲-۱۸۷۱ء میں ایم۔ اے کی جماعت بھی بن گئی۔ ایم۔ اے میں ایک، (بی۔ اے) سالِ چہارم میں ۶، سالِ سوم میں ۸، (ایف اے) سالِ دوم میں ۲۴ اور سالِ اوّل میں ۱۴ طالبِ علم شریک تھے۔

سنہ ۱۸۷۷ء میں دلّی کالج ٹوٹ گیا اور گورنمنٹ کالج لاہور کی قسمت جاگی۔ کالج کا عملہ بھی وہیں منتقل ہو گیا۔

مجلسِ انتظامی

کالج کے انتظام کے لیے ایک مقامی مجلس تھی جو لوکل کمیٹی کہلاتی تھی۔ اس کا فرض تھا کہ وہ کالج کے تمام معاملات کی نگرانی کرے اور اس کی بہبودی پر نظر رکھے۔ کالج کی سالانہ رپوٹ جس میں اساتذہ کے عزل و نصب، نصابِ تعلیم، سالانہ امتحان کے نتائج وغیرہ کے متعلق اطلاع ہوتی تھی، صدر مجلسِ تعلیماتِ عامہ (جنرل کمیٹی آف پبلک انسٹرکشن) کو جو تمام احاطۂ بنگال کی درس گاہوں کی نگراں تھی، باقاعدہ بھیجی جاتی تھی اور سارے کام اس کی صواب دید اور منظوری سے ہوتے تھے۔

دلّی بھی احاطۂ بنگال میں تھی اور دلّی کیا یہ تمام صوبہ جو بعد میں ممالکِ مغربی و شمالی کے نام سے موسوم ہوا، احاطۂ بنگال ہی میں شریک تھا۔ بنگال، بہار وغیرہ لوور (زیریں) اور ممالکِ مغربی شمالی وغیرہ اپر (بالائی) پراونسز یا صوبے کہلاتے تھے اور تمام امور خواہ تعلیمی ہوں یا انتظامی وہیں کی حکومت کی منظوری سے انجام پاتے تھے۔

سنہ ۱۸۴۳ء میں اُن تمام تعلیمی اداروں کی نگرانی جو احاطۂ بنگال کے صوبۂ مغربی و شمالی میں واقع تھے گورنمنٹ آگرہ کے تفویض کردی گئی۔ اس تاریخ سے بالائی صوبوں کا نظامِ تعلیم احاطۂ بنگال کے زیریں صوبوں کے نظام سے ہٹتا ہوا نظر آتا ہے۔ پہلے یہ ایسی حکومت سے بندھا ہوا تھا جہاں کے مقامی حالات یہاں کے حالات سے بہت کچھ جدا تھے۔ بنگال کا رنگ دلّی پر نہیں چڑھتا تھا اور چڑھتا بھی تو کھلتا نہ تھا۔ یہ بہت غنیمت ہوا کہ اس سے جلد چھٹکارا ہوگیا۔ اب اس نے اپنا رنگ روپ

نکالنا شروع کیا اور جس ڈھنگ کی تعلیم یہاں کی ضرورت اور طبائع کے مناسب تھی، اس کا ڈول پڑنے لگا۔

سنہ ۱۸۴۳ء سے اس صوبے کی تمام تعلیم گاہوں کی سرپرستی اور نگرانی لفٹنٹ گورنر کے ہاتھ میں چلی گئی۔ اس وقت ممالک مغربی شمالی کے حاکم مسٹر ٹامسن تھے۔ ان کی نظر سب سے پہلے اس چیز پر پڑی جو صحیح تعلیمی اصول اور کامیابی کی جڑ ہے، یعنی ذریعۂ تعلیم۔ انھوں نے انگریزی کے چھوٹے چھوٹے اسکول سب بند کر دیے اور ان کی جگہ خالص دیسی زبان کی درس گاہیں کھول دیں۔ اس کی وجہ خود انھوں نے اپنی ایک یادداشت میں بیان کی ہے جس کا ترجمہ یہاں عرض کیا جاتا ہے:-

"ممالکِ مغربی شمالی میں انگریزی تعلیم کا اس قدر شوق نہیں پایا جاتا جس قدر بنگال میں ہے۔ یہاں شاذ و نادر ہی کوئی متوطن یورپین ہوگا۔ یہاں ایسے یورپین سوداگروں کی کوئی جماعت نہیں جو اپنا کاروبار انگریزی زبان کے ذریعے انجام دیتے ہوں۔ یہاں کوئی سوپریم کورٹ نہیں جہاں مقدمات کی سماعت یا عدالتی کارروائی انگریزی میں ہوتی ہو۔ تمام سرکاری کاروبار بجز انگریزی عہدہ داروں کی باہمی مراسلت کے، دیسی زبان میں ہوتا ہے۔ اس لیے انگریزی کا شوق پیدا کرنے کے لیے یہاں بہت ہی کم وسائل موجود ہیں۔"

غرض مسٹر ٹامسن کا خیال یہ تھا کہ اگر ہم ممالکِ مغربی شمالی کے باشندوں کے دلوں پر کوئی ایسا اثر ڈالنا چاہتے ہیں جو محسوس ہو تو یہ انگریزی کے ذریعے سے نہیں ہوگا اس کا ذریعہ دیسی زبان ہی ہو سکتی

ہے۔ چنانچہ وہ اسی یادداشت میں لکھتے ہیں:۔

"انگریزی زبان کی تعلیم آگرہ، بنارس، دہلی کے کالجوں تک محدود رکھنی چاہیے اور اس کی تکمیل میں انتہائی درجے تک مدد دینی چاہیے۔ اس درجے کی تعلیم جو ہم ان لوگوں کو دینا چاہتے ہیں جو کثرت سے دوسرے اسکولوں میں داخل ہوتے ہیں اور جنھیں اس تعلیم کے حاصل کرنے کی فرصت یا شوق ہے تو انھیں زیادہ سستے طریقے سے، کم سے کم وقت میں بہتر سے بہتر تعلیم صرف دیسی زبان کے ذریعے سے دی جاسکتی ہے۔"

چنانچہ اس اصول کی بنا پر ان کالجوں میں انگریزی زبان اور سائنس اور دیگر مضامین کی تعلیم کے لیے ہر طرح کا سامان مہیا کیا گیا۔ دہلی کالج نے صحیح تعلیم کا سب سے عمدہ نمونہ پیش کیا اور آگرہ، بنارس بریلی کے کالجوں نے اس کی تقلید کی۔

اگرچہ مقامی مجلس دہلی کالج کی نگراں تھی، لیکن اس کے اختیارات بہت محدود تھے، ہر انتظامی اور تعلیمی امر کے لیے گورنمنٹ یعنی لفٹنٹ گورنر کی منظوری درکار ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ نصابِ تعلیم میں بھی کوئی خفیف سی تبدیلی بغیر منظوری کے نہیں ہوسکتی تھی۔ لیکن مجلس کی رائے کی کالج کے معاملات میں گورنمنٹ وقعت کرتی تھی اور اگرچہ بعض اوقات اس کی رائے سے اختلاف بھی ہوتا تھا لیکن اکثر معاملات میں اس سے اتفاق کیا جاتا اور اس کی تجویز کے مطابق منظوری دی جاتی۔ کیونکہ اس کے رکن معزز اور قابل لوگ ہوتے تھے اور دلّی، دلّی والوں اور دلّی کالج سے بہت زیادہ واقف تھے اور سکرٹری تو

کالج کا پرنسپل ہی ہوتا تھا۔

مقامی مجلس کا میرِ مجلس کوئی بڑا سرکاری عہدے دار ہوتا تھا۔ شروع شروع میں اس کے صدر دہلی کے رزیڈنٹ کمشنر سر ٹی مٹکاف تھے اور ارکان مسٹر کالون جائنٹ مجسٹریٹ اور ڈاکٹر راس سول سرجن تھے۔

اس کے بعد ان حالات کے تحت جن کا ذکر اس سے قبل اعتماد الدولہ وقف کے ضمن میں آچکا ہے، مجلس کے ارکان میں نواب حامد علی خاں شریک کیے گئے۔ مسٹر ٹیلر مجلس کے سکرٹری اور کالج کے سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوئے۔

سنہ ۱۸۴۲ء میں علاوہ مذکورۂ بالا صاحبوں کے مسٹر سی۔ گرانٹ، نواب حسام الدین (جو دہلی کے امرا میں سے تھے) اور مولوی صدرالدین صدر امینِ اعلیٰ بھی مجلس کے ارکان مقرر کیے گئے۔

سنہ ۱۸۴۷ء میں ان اصحاب کا اضافہ ہوا:۔

مسٹر جے۔ پی گنز سول سرجن۔

رائے رام سرن داس ڈپٹی کلکٹر۔

مسٹر ٹیلر جو اب پرنسپل تھے، حسبِ معمول سکرٹری رہے۔

سنہ ۱۸۴۸ء میں مسٹر ایچ۔ کیپ بھی رکنِ مجلس بنائے گئے۔

سنہ ۱۸۵۳ء میں کمیٹی کے ارکان یہ تھے

مسٹر جے۔ پی ہورٹر مجسٹریٹ و کلکٹر دہلی (سر، ٹی مٹکاف کا انتقال ۲ نومبر سنہ ۱۸۵۳ء کو ہوگیا ان کی جگہ یہ صدر تجویز ہوئے)۔

مسٹر جے۔ تھیوفلس اسسٹنٹ مجسٹریٹ۔

کیپٹن آر۔ سی ڈگلس۔

مولوی صدرالدین صدر امینِ اعلیٰ
نواب حامد علی خاں
جے۔ کارگل (پرنسپل) جونیر ممبر و سکرٹری
سنہ ۵۵۔ ۱۸۵۴ء میں ان ناموں کا اور اضافہ ہوا۔
مسٹر سائمن فریزر کمشنر
مسٹر آر۔ بی مورگن سول سشن جج
مسٹر پی۔ اے ایجرٹن میجسٹریٹ و کلکٹر

مقامی مجلس کے ارکان سب کے سب وہی ہوتے جو دہلی کے رہنے والے تھے یا جن کا قیام دلّی میں ہوتا۔ زیادہ تر تعداد سرکاری عہدے داروں کی ہوتی تھی اور تبادلے پر ان کے جانشین ان کے قائم مقام ہو جاتے۔ دلّی کا خاص باشندہ ایک آدھ ہی ہوتا، لیکن خاص خاص معاملات میں مجلس کے ارکان دلّی کے معزز اور با اثر اصحاب سے مشورہ کر لیا کرتے۔

مجلس نے اکثر حکومت سے اہلِ دہلی کے خیالات اور جذبات کی ترجمانی کی اور ان کے تعلیمی فوائد کو مدِ نظر رکھ کر گورمنٹ سے بسا اوقات کارآمد تجاویز کو منظور کرایا اور علاوہ اس کے تعلیم اور روشن خیالی کی حمایت اور اشاعت میں بھی اس معزز مجلس کے ارکان نے بہت قابلِ تعریف کام کیا ہے۔

جنوری ۱۸۵۷ء میں جب کالج پنجاب گورمنٹ کیں منتقل ہو گیا تو اس مجلس کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

تعطیلات

تعطیل مدارس ہی کو نہیں بلکہ سب دفتروں کو بھی عزیز ہوتی ہے۔
اس سے طلبا ہی کو خوشی نہیں ہوتی مدرس بھی خوش ہوتے ہیں (گو
زبان سے نہ کہیں)۔ دلی کالج میں تعطیلیں خوب ہوتی تھیں۔ مسلمان جمعے
کے دن اور ہندو ہر ماہ کی پہلی، آٹھویں، پندرھویں، بائیسویں کو
تعطیل مناتے تھے۔ انگلش کالج کے ضم ہونے کے بعد سرکار نے
حکم دیا کہ صرف اتوار کی چھٹی منائی جائے اور جمعے کے دن نماز کی چھٹی
دی جائے۔ لیکن اس پر بھی اور بہت سی تعطیلیں تھیں۔ ہندو مسلمان
ذرا ذرا سے میلوں تہواروں اور متعدد خرافات پر چھٹی مناتے تھے اور
مولوی اور پنڈت طلبا کی پشت پر ہوتے تھے۔ اس سے تعلیم کا بڑا ہرج
ہوتا تھا۔ مسٹر کارگل (پرنسپل) نے تجویز کی کہ خاص خاص تہواروں کے
سوا باقی تعطیلات یک قلم اُڑا دی جائیں۔ لفٹننٹ گورنر نے اس
تجویز کو منظور کیا اور کہا کہ عدالتِ دیوانی میں جن ایام کی تعطیلات ہوتی
ہیں وہی کالج میں دی جائیں اور اس پر بھی اگر کوئی طالب علم غیر
حاضر ہو جائے تو اس کے وظیفے میں سے دو چار آنے فی یوم کے حساب
سے وضع کر لیے جائیں، دوسروں پر دو آنے جرمانہ کر دیا جائے یا
نام خارج کر دیا جائے۔

کالج کی عمارت

ابتدا میں کالج غازی الدین خاں کے مدرسے میں تھا، چنانچہ

مسٹر ٹامسن اپنی یادداشت مورخہ ۸ر اپریل ۱۸۴۱ء میں لکھتے ہیں کہ "غازی الدین خاں کا مدرسہ جہاں دہلی کالج اس وقت ہے ایک شان دار عمارت ہے اور محض دیسی درس گاہ کے لیے ناموزوں نہیں ہے مگر افسوس کہ یورپین کوارٹر دور ہے اور انگریزی انسٹی ٹیوشن کے موزوں بنانے کے لیے صرف کی ضرورت ہوگی"۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد مشرقی اور انگریزی شعبے ایک جا کر دیے گئے تو کالج کتب خانہ دارا شکوہ میں اٹھ آیا۔ یہ بھی ایک تاریخی عمارت ہے۔ کبھی کسی زمانے میں داراشکوہ کا کتب خانہ تھا، اس کے بعد (۱۶۳۷ء) علی مردان خاں مغل حاکم پنجاب کا اقامت خانہ رہا۔ ۱۸۰۳ء میں سر ڈیوڈ اختر لونی بارٹ کی ریزیڈنسی ہوئی۔ اس کے بعد کالج آیا۔ کالج کے ٹوٹنے پر ضلع کا مدرسہ اس میں رہا اور پھر میونسپل بورڈ اسکول رہا، اس کے بعد گورمنٹ ہائی اسکول رہا، اب اپریل ۱۹۴۱ء سے پولی ٹیکنک گورنمنٹ اسکول ہے، اس کے دروازے کے ستون پر جو تختی لگی ہوئی ہے اس میں کالج کے قیام کی تاریخ ۱۸۰۴ء سے ۱۸۷۷ء لکھی ہوئی ہے یہ صحیح نہیں ہے۔

جب غدر ہوا تو کالج اسی عمارت میں تھا۔ جب انگریزوں کی فتح ہوئی تو اس پر فوجی افسروں نے قبضہ کر لیا تھا اور ۱۸۶۷ء تک وہ اسی میں فروکش رہے۔ کالج یکم مئی ۱۸۶۴ء کو از سرِ نو قائم ہوا، اور ۱۸۸۷ء میں اپنی قدیم عمارت میں چلا گیا۔ درمیانی عرصے میں دہلی انسٹی ٹیوٹ یا موجودہ ٹاؤن ہال اور میونسپل کمیٹی کے اس حصے میں رہا جو گھنٹہ گھر کے بائیں جانب ہے، جہاں بعد میں ایک مدت تک لائبریری رہی۔

تالیف و ترجمہ

دہلی ورنیکلر سوسائٹی

ایجوکیشنل کمیٹی

مغربی علوم کو دیسی زبان کے ذریعے سے پڑھانے میں بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ کتابیں نہیں تھیں اور درس تدریس کے لیے کتابیں ایسی ہی ہیں جیسے کاری گر کے لیے اوزار۔ جو لوگ دیسی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانے کے مخالف تھے ان کا سب سے بڑا اعتراض یہی تھا اور یہ کوئی معمولی اعتراض نہ تھا۔ دیسی زبان کے حامیوں کو بڑی دقّت کا سامنا تھا۔ اس لیے انھوں نے سب سے پہلے اس طرف توجہ کی۔ سرکاری تعلیمی کمیٹی (ایجوکیشنل کمیٹی) ۱۸۳۵ء میں قائم ہوئی، لیکن اس سے بہت قبل اسکول بک سوسائٹی نے بہت سی مفید کتابیں دیسی زبان میں مدارس کے لیے تیار کیں اور ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوئیں۔ لیکن یہ محض ابتدائی کتابیں تھیں۔

قدیم ایجوکیشنل کمیٹی کے پیشِ نظر بھی دیسی زبان میں تعلیمی کتابوں کی ترتیب کا مسئلہ تھا لیکن اس کی سرگرمی زیادہ تر سنسکرت اور عربی کی جانب رہی۔

ایجوکیشن کمیٹی کا وجود ۱۸۳۵ء میں ظہور میں آیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ بعض حالات کی وجہ سے انگریزی کی فوقیت اور عظمت تسلیم

کرلی گئی تھی اور حکومت نے فیصلہ کر دیا تھا کہ تمام مضامین کی تعلیم انگریزی کے ذریعے سے دی جائے اور دیسی زبان کے حامی اور خیر طلب ناکامی اور بے بسی کی حالت میں تھے۔ اس وجہ سے ترجمے کا کام بھی رُک گیا۔ اس میں شک نہیں کہ اصولاً اس کا اعتراف کیا جاتا تھا کہ دیسی زبانوں میں مغربی علوم کا ترجمہ ہونا چاہیے لیکن عمل کا رُخ دوسری طرف تھا۔ ایجوکیشن کمیٹی نے اپنی سالانہ رپوٹ بابت ۱۸۳۵ء میں صاف طور سے اس اَمر کا اعلان کیا کہ دیسی علم ادب کا بنانا اس کمیٹی کا قطعی مقصد رہے گا اور اس کی مساعی اسی جانب رہنی چاہییں۔ لیکن پانچ سال تک نہ اس مجلس نے کچھ کیا اور نہ اسکول بک سوسائٹی نے کروٹ لی۔

جب لارڈ آکلنڈ نے تعلیمی کتابوں کے ترجمے کی طرف توجہ دلائی اور ابتدائی کتابوں کے تیار کرنے کی طرف خاص دلچسپی ظاہر کی تو ایجوکیشنل کمیٹی یکایک سوتے سے جاگی اور ۱۸۴۱ء میں ایک ذیلی مجلس قائم کی گئی جس میں سر ایڈورڈ ریاں (Ryian) مسٹر پرنسیپ، مسٹر ملٹ، اور مسٹر سدرلینڈ بھی شریک تھے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ کمیٹی تمام معلومات بہم پہنچائے اور کام کا خاکہ تیار کرے۔ گورنر جنرل نیز کورٹ آف ڈائرکٹرز کی یہ رائے تھی کہ اس معاملے میں تینوں احاطوں کو اتفاق سے کام کرنا چاہیے، چنانچہ اس بنا پر اس کمیٹی نے مدراس اور بمبئی کے بورڈز آف ایجوکیشن سے مراسلت شروع کی۔

ذیلی کمیٹی نے بعد ازاں اپنی رپوٹ پیش کی جس میں یہ امور تجویز کیے:۔

۱۔ صرف و نحو پر کتابیں تیار ہونی چاہییں۔

۲۔ اس کام کے لیے ایسے اشخاص انتخاب کیے جائیں جو اس کے اہل ہوں اور جو ذیلی کمیٹی کی نگرانی میں بلا معاوضہ یا تنخواہ پر کام کرنے کے لیے آمادہ ہوں۔

۳۔ اس کے بعد تدریجی کتابوں کا ایک سلسلہ علم کی ہر شاخ پر تیار کرایا جائے جو لوگوں کی اخلاقی اور ذہنی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔ اسی قسم کے چند اور مشوروں کے بعد ذیلی کمیٹی نے حسبِ ذیل رائے کا اظہار کیا۔

"مذکورۂ بالا تجویز پر اس قدر اخراجات عائد ہوں گے کہ گورمنٹ ان کے دینے کے لیے تیار نہ ہوگی۔ علاوہ اس کے فوراً ایسے اشخاص کا دستیاب ہونا جو سائنس اور ادبیات کی مختلف شاخوں کے ترجمے و تالیف کے اہل اور اس کے سرانجام دینے کے لیے بہ خوشی آمادہ ہوں، مشکل ہوگا۔ ایک کم جامع لیکن زیادہ کارآمد مشورہ یہ ہے کہ ہر ممکن ذریعے سے اہل اشخاص کو آمادہ کیا جائے کہ وہ دیسی فضلا کی اعانت سے مطلوبہ کتب کی تالیف اور تیاری کا کام اپنے ذمے لیں۔ کام کا تعین کمیٹی کرے گی۔ اور جو کتاب بعدِ پسندیدگی شائع کی جائے گی مؤلف کو اس کا صلہ دیا جائے گا۔"

صلے کے متعلق کمیٹی نے یہ طے کیا کہ سائنس کی معمولی ضخامت کی کتاب یا رسالے کے لیے ایک ہزار روپیہ کافی ہوگا۔ اس صلے کے علاوہ جب کتاب ان کے نام سے شائع ہوگی تو ان کی خاصی شہرت بھی ہوگی۔ اس طریقے سے ہمت افزائی کا ایک موقع نکل آئے گا۔ اور

اور ملک کے دوسرے صوبوں میں بھی لوگ اس طرف توجہ کرنے لگیں گے اور کام میں ترقی کی امید ہو جائے گی۔

اس اسکیم کے عمل میں لانے کے لئے کمیٹی کو ایک مُبصّر کی بھی ضرورت ہوگی تاکہ جو کتابیں پیش ہوں ان کی جانچ کر سکے۔ اگر کمیٹی کے ارکان میں ایسے اہل اور قابل شخص ہوں جنھیں فرصت ہو اور خوشی سے اس کام کو انجام دے سکیں تو پھر کسی شخص کی ضرورت باقی نہ رہے گی

ایک اصول جس پر سب نے اتفاق کیا یہ تھا کہ درسی کتابیں پہلے انگریزی میں لکھوائی جائیں، اور پھر ان کا ترجمہ دیسی زبانوں میں کیا جائے۔ اس سے آسانی کے علاوہ تعلیمی نظام میں یکسانی بھی پیدا ہو جائے گی۔

احاطۂ بمبئی کے بورڈ آف ایجوکیشن نے اس سے اتفاق کیا۔ اور یہ مشورہ دیا کہ دیسی زبان کی کتابیں اور انگریزی مدارس کی نصابی کتابیں ایک ہونی چاہییں۔

یہ بھی طے ہوا کہ کمیٹی کی آخری منظوری سے قبل اس تالیفات کو مدارس اور بمبئی کے بورڈ آف ایجوکیشن جانچ لیا کریں۔

تعویق پیدا کرنے، کام کو ٹالنے اور ترقی روکنے کے لیے اس سے بہتر کوئی تجویز نہیں ہو سکتی تھی۔

خاص طور پر جن کتابوں کی ضرورت محسوس ہوئی وہ یہ تھیں۔

دیسی زبان کی ریڈریں، ہندستان کے بعض اضلاع کے حالات تاریخِ بنگالہ، ہندستان کی عام تاریخ، اخلاقی تعلیم پر ایک رسالہ، ان کے علاوہ چند اور کتابوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو کوئی خصوصیت نہیں رکھتیں۔ آخر

میں یہ مشورہ دیا گیا کہ "سلطنتوں اور حکومتوں کے عروج و زوال کی تاریخ تواسی نقطۂ نظر سے" تالیف کی جائے۔ یہ ایسی عظیم الشان تالیف تھی کہ ہندستان کے کسی یوروپین کو اس کی تالیف کا وقت نہیں مل سکتا تھا۔

کتابوں کی فہرستوں کا بنا لینا اور تالیفات کے اچھے اچھے نام تجویز کر لینا ایک بات ہے اور ان کا مرتّب کرنا دوسری بات۔ سب سے پہلی کتاب یعنی ریڈر ڈاکٹر ییٹس (Dr. Yates) نے تیار کی اور مدارس میں جاری بھی کر دی گئی۔ باقی تالیفات کے نام ہی نام رہ گئے۔ پہلے سے کچھ کتابیں اُردو اور بنگالی میں ترجمہ کی ہوئی موجود تھیں وہ کام میں آئیں مثلاً مارشمین کی تاریخِ ہند۔

البتہ ایک کتاب جو قابلِ لحاظ ہے اس زمانے میں تالیف ہوئی وہ بنگالی انسائیکلو پیڈیا تھی جو ریورنڈ کے۔ ایم بنرجی کی نگرانی میں لکھی گئی تھی۔ یہ اَصل میں مختلف مضامین پر الگ الگ رسالے ہیں۔ اکثر ان میں سے ایسے ہیں جو پہلے سے لکھے ہوئے تھے اور انھیں بغیر کسی تغیر و تبدل کے ویسے ہی نَقل کر دیا ہے اور بعض ایسے ہیں جن میں ہندستان کے حالات کے رو سے مناسب تغیّر و تبدل کر لیا گیا ہے۔ ان انتخابات اور تغیر و تبدل پر کونسل آف ایجوکیشن کی نگرانی تھی۔

دیسی زبان کی کتابوں کی مانگ، خواہ وہ ایجوکیشنل کمیٹی نے لکھوائیں یا دوسری انجمنوں نے، مدارس تک محدود تھی۔ مدرسے کی چار دیواری کے باہر ان کی بہت کم مانگ تھی۔ خیر درسی کتابیں تو ظاہر ہے کہ مدرسوں ہی کے کام آئیں گی، اور ان کی اشاعت وہیں تک محدود رہے گی، لیکن یہ خیال دل میں ضرور آتا تھا کہ اگر تاریخِ ہندستان یا نیچرل فلاسفی

پر کتابیں لکھوائی جائیں یا کوئی ہندستان کا گزیٹیر یا کوئی اور ایسی ہی کتاب تالیف کر دی جائے تو وہ ضرور ہندستانیوں میں مقبول ہو گی۔ لیکن دیسی زبانوں میں اس قسم کی کتابوں کا شائع کرنا جوکھم سے خالی نہیں تھا۔ کتاب وہی چلتی ہے جس کی مانگ مدرسوں میں ہوتی ہے۔ ایک دوسری بات یہ تھی کہ مدارس سے باہر مانگ اس لیے بھی کم تھی کہ کتابوں کی قیمت زیادہ تھی۔ تین چار یا پانچ روپے فی کتاب ایسی قیمت ہے جو ہندستانی آسانی سے ادا نہیں کر سکتے۔ اور ہندستان ہی پر کیا موقوف ہے انگلستان میں بھی سوائے بعض اعلیٰ درجے کی کتابوں کے، اتنی قیمت کوئی بھی خوشی سے نہ دے گا۔

یہ مختصر خاکہ ہے ایجوکیشنل کمیٹی، اس کے قیام اور اس کی کارگزاری کا۔ اس سے دیسی زبانوں میں ترجمے کی ابتدائی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔

انجمنِ اشاعتِ علوم بذریعۂ السنۂ ملکی یا دہلی ورنیکلر ٹرانس لیشن سوسائٹی

لیکن اس کے بعد ہی ایک اور تحریک اسی غرض سے علم کے بعض سچے شائقین اور دیسی زبانوں کے ہمدردوں کی سعی اور توجہ سے عمل میں آئی اور "انجمن اشاعتِ علوم بذریعۂ السنہ ملکی" (Society for the Promotion of knowledge in India Through the Medium of Verna cular Languages) قائم کی گئی۔ اس کا مقصد اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اس کی غرض یہ تھی کہ ان مشکلات کو رفع کرے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اور ترجمے یا جدید کتب کی تالیف کے ذریعے سے ہندستان کی زبانوں کی ترقی میں

کوشش کی جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے جو تدابیر اِس انجمن نے اختیار کیں، ان کا خلاصہ یہ ہے:۔

۱۔ انجمن کا یہ منشا ہے۔ انگریزی، سنسکرت، عربی، فارسی کی اعلیٰ درجے کی کتابیں اُردو، بنگالی، ہندی میں ترجمہ کی جائیں اور سب سے اوّل دیسی زبان کی درسی کتابیں تیار کی جائیں۔

۲۔ اگرچہ امید نہیں کہ ابتدائی ترجمے اعلیٰ درجے کے ہوں لیکن یہ توقع کی جاتی ہے کہ اگر ان کے استعمال اور سرپرستی کی مسلسل اور باقاعدہ کوشش کی گئی تو دیسی زبانوں میں بہت کچھ ترقی ہو جائے گی۔

۳۔ ترجمہ اگر اس درجے کا بھی نہ ہوا جیسا کہ ہونا چاہیے مگر سمجھ میں آ سکتا ہے اور صحیح بھی ہے تو انجمن اپنی بساط کے موافق اس کی سرپرستی کرے گی۔ ابتدا میں چونکہ قلیل تعداد میں اس کے نسخے چھپوائے جائیں گے اس لیے آیندہ طبع کے موقعوں پر اس میں اصلاح ہوتی رہے گی لیکن اگر اس اثنا میں اس کتاب کا کوئی بہتر ترجمہ ہو گیا تو پھر پہلے ترجمے کا چھپوانا موقوف کر دیا جائے گا۔

۴۔ دیسی زبانوں کی مفید جدید تالیفات اور انگریزی، سنسکرت عربی کی اعلیٰ کتابوں کے ترجموں کے مسودے بہ شرح ۲ آنے تا ایک رُپیہ فی صفحہ (حسبِ حیثیتِ تالیف یا ترجمہ) خریدے جائیں گے۔ فارسی کتاب یا کسی دیسی زبان کا ترجمہ (دوسری دیسی زبان میں) اس سے نصف شرح پر خریدا جائے گا[۱]۔

---

[۱] نظرِ ثانی کے لیے یہ شرح بعد میں تجویز ہوئی۔ ابتدائی تاریخی اور ادبی کتابوں کے لیے فی صفحہ چھ آنے۔ سائنس، قانون یا فلسفے کے لیے فی صفحہ دس آنے۔

۵۔ قاعدۂ بالا کی رو سے جو ترجمہ انجمن خریدے گی اس کا حق تالیف (بشرطے کہ کوئی اور معاہدہ نہ کیا گیا ہو) انجمن ہی کا ہوگا۔

۶۔ قاعدۂ بالا کا اطلاق ملکی السنہ کی جدید تالیفات یا جدید اعلیٰ کتاب کے ترجمے پر (جو اصل کتاب کے طبع سے تین سال کے اندر کیا گیا ہو) نہ ہوگا۔

۷۔ ترجموں کے مفید ہونے نہ ہونے کا فیصلہ انجمن کی مجلسِ انتظامی کرے گی اور سب سے اوّل وہ اپنا سرمایہ ان کتابوں کی طبع پر صرف کرے گی جو نہایت ضروری ہوں

۸۔ انجمن طبع کے لیے ابتدا میں عموماً ایسی کتابیں خریدے گی جن کا حجم چار سو پانسو صفحات سے زیادہ نہ ہوگا۔

۹۔ انجمن اپنی کتابیں جہاں تک ممکن ہوگا سستی بیچے گی اور طبع کے اخراجات کا ایک حصہ اور بعض صورتوں میں تمام اخراجات انجمن اپنے سرمایے سے ادا کرے گی[1]

اس انجمن کے بانیوں اور معاونوں میں ہندستانی اور انگریز ...ابہ کے شریک تھے۔ چندہ دینے والوں کی فہرست دیکھنے سے معلوم تا ہے کہ معطیوں کی کل تعداد ۱۱۶ تھی جس میں ۵۲ انگریز تھے۔ اور ...ندے ہیں بھی تقریباً برابر شریک تھے۔ شاہ اودھ، ان کے صاحبزادوں ...ران کے وزرا و اُمرا نے بھی عطیے دیے۔ اسی طرح حیدرآباد دکن سے امیر کبیر، سر سالار جنگ، سراج الملک بہادر، راجا رام بخش ...غیرہ نے چندے عطا کیے۔ مجلسِ انتظامی کے ارکان یہ تھے۔

---

[1] روئیداد ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی مرتبہ سکرٹری بتروس مطبوعہ ۱۸۴۵ء

ٹی شکاف

سی۔گرانٹ۔

ای۔سی۔ریونشا۔

ڈبلیو۔سین کونٹن۔

دوار کا ناتھ ٹیگور۔

اور سکریٹری مسٹر بتروس پرنسپل دہلی کالج تھے۔

انجمن نے انگریزی سے اُردو میں ترجمے کے لیے چند قواعد بھی وضع کیے تھے جن کا یہاں بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

۱۔ جب سائنس کا کوئی ایسا لفظ آئے جس کا مترادف اُردو میں نہیں مثلاً سوڈیم، پوٹے سیم، کلورین وغیرہ تو ایسے لفظ کو بجنسہ اُردو میں لے لینے میں کوئی ہرج نہیں۔ یہی قاعدہ ایسے خطابات والقاب کے بارے میں بھی مدِ نظر رکھا جائے جن کے مساوی خطابات والقاب ہندستان کی تاریخ میں نہیں پائے جاتے۔ مثلاً بشپ، ڈیوک، ارل، کلکٹر وغیرہ

۲۔ اگر سائنس کا کوئی لفظ ایسا ہے جس کا مترادف اُردو میں پایا جاتا ہے تو اُردو لفظ ہی استعمال کرنا چاہیے۔ جیسے آیرن کے لیے لوہا، سلفر کے لیے گندھک، منسٹر کے لیے وزیر، سمنز کے لیے طلب نامہ۔

۳۔ اگر لفظ مرکب ہے اور ہر دو لفظ انگریزی ہیں اور دونوں میں سے کسی کا مترادف اُردو میں نہیں تو وہ لفظ بجنسہ اُردو میں منتقل کر لیا جائے۔ جیسے ہائڈروکلورک۔ کیوں کہ ہائڈروجن اور کلورائن میں سے کسی کا مترادف اُردو میں نہیں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ پورے انگریزی جملے کو بجنسہ اُردو میں لے لیا جائے بلکہ اسے اُردو میں ادا کرنے کی کوشش

کی جائے۔ مثلاً جسٹس آف دی پیس کو اُردو میں جسٹس پیس کی اور ملٹری آرڈر آف دی باتھ کو لشکری جماعت باتھ کی اور ملٹری اینڈ ریلیجس آرڈر آف مالٹا کو لشکری و مذہبی جماعت مالٹا کی ترجمہ کیا جائے۔

۴۔ اگر لفظ مرکب ہو اور اُردو میں اس کا مترادف نہیں، مگر الگ الگ لفظ کے مترادف اُردو میں موجود ہیں تو یا تو ان دونوں لفظوں کو ملا کر یا کسی دوسرے مساوی مفہوم کے الفاظ میں ترجمہ کر لیا جائے۔ مثلاً کرانولوجی Chronology کا ترجمہ علمِ زماں۔ ہاؤس آف لارڈز کا کچہری امیروں کی۔ ہاؤس آف کامنز کا کچہری وکلائے رعایا کی یا صرف کچہری وکلا کی۔

۵۔ جب یہ قاعدہ یا قاعدہ ذیل آسانی سے مطابق نہ ہو تو پھر غیر زبان کا لفظ اُردو میں لے لیا جائے۔ جیسے ہائڈروجن، نائٹروجن۔

۶۔ اگر مرکب لفظ ایسے دو مفرد الفاظ سے بنا ہو جن میں سے ایک کا مترادف اُردو میں موجود ہو مگر دوسرے کا مترادف نہیں تو ایک انگریزی اور دوسرے اُردو سے مرکب بنا لیا جائے۔ جیسے کورٹ آف ڈائرکٹرز کا ترجمہ کچہری ڈائرکٹروں کی۔ آرچ بشپ کا۔ بشپ اعلیٰ کر لیا جائے۔

۷۔ بعض لفظ ایسے ہیں جیسے آرڈر Order کلاس، جینس Genus اسپیشیز Species، جن کے مترادف اگرچہ کسی نہ کسی صورت میں اُردو میں پائے جاتے ہیں تاہم انگریزی الفاظ اُردو میں منتقل کر دیئے جائیں تو مناسب ہوگا۔ کیونکہ اُردو میں اس قسم کے الفاظ ایک دوسرے کے مترادف ہوتے ہیں اور اس سے ایک دوسرے کے مفہوم کے سمجھنے میں مغالطہ پیدا ہو جاتا ہو حالانکہ ان الفاظ کے معانی کا امتیاز

نیچرل ہسٹری میں بہت اہم ہے۔

۸۔ درختوں کے انواع (خاندانوں) کے نام یا تو اس نوعِ خاندان کے کسی ممتاز فرد کے نام پر رکھے جاتے ہیں یا اس نوع کی مشترک خاصیتوں کی بنا پر نام رکھ لیا جاتا ہے۔ اس قاعدے کی پابندی اُردو میں کی جائے۔ اگر یہ زیادہ آسان اور مفید ثابت ہو کہ ہر نوع (خاندان) کے الگ الگ نام صرف اس کے خاص اور ممتاز افراد پر رکھے جائیں تو پھر یہی کیا جائے۔

اُوپر کے قواعد میں اُردو مترادف سے مطلب ایسا لفظ ہے جو ملک کے تعلیم یافتہ اور متوسط درجے کے طبقے میں معروف ہے۔ اگر ہماری مشرقی زبانوں کی ڈکشنریوں میں کوئی مترادف لفظ نہ ملے اور پنڈتوں اور مولویوں سے پوچھنے کی ضرورت پڑے تو اس سے تو یہ بہتر ہے کہ انگریزی لفظ ہی اختیار کر لیا جائے۔ سائنس کا ترجمہ انگریزی ہی سے کیا جائے گا اس لیے انگریزی الفاظ سے زبان کو بچانا تقریباً ناممکن ہے۔

ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کی گئی تھی کہ جہاں تک آسانی سے ممکن ہو انگریزی الفاظ کے استعمال سے احتراز کیا جائے۔ جو شخص کسی سائنس کی کتاب کا ترجمہ کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ اس سائنس پر جو کتابیں اس سے قبل لکھی جا چکی ہیں انھیں مہیا کرے اور جب تک کوئی خاص وجہ نہ ہو انھی الفاظ کے استعمال کرنے کی کوشش کرے جو ان کتابوں میں استعمال کیے گئے ہیں۔ جب کسی انگریزی جملے میں کسی خاص واقعے کی طرف اشارہ ہو جس سے اہلِ ہند واقف نہ ہوں تو مترجم کو چاہیے کہ حاشیے میں یا مناسب ہو تو متن میں اس کی مختصر طور پر تشریح

کر دے۔

مترجم کو لفظ بہ لفظ ترجمے کی کبھی کوشش نہ کرنی چاہیے۔ ترجمے میں سب سے بڑی بات اصل مفہوم یعنی جملے کے معنی اور مطلب کو صحیح طور سے ادا کرنا ہے، خواہ اس کی ساخت یا طرزِ ادا کیسی ہی مختلف کیوں نہ ہو۔

کیمسٹری کی اصطلاحات کے متعلق یہ رائے دی گئی تھی کہ تمام اصطلاحی الفاظ کو بجنسہٖ اُردو میں لے لینا مناسب ہوگا۔ البتہ کیمیائی عناصر جن کے نام اُردو میں موجود ہیں وہ ویسے ہی رہنے دیے جائیں، لیکن مرکبات میں انگریزی نام ہی رہیں، جیسے ہائڈرو سلفرک وغیرہ۔ چونکہ اصطلاحی الفاظ کے مادے تعداد میں بہت زیادہ نہیں اس لیے ان کی تفہیم میں کوئی زیادہ مشکل نہ ہوگی۔

نباتیات کا ترجمہ بہت کٹھن ہے۔ یورپین مصطلحات کا لفظی ترجمہ بالکل مہمل ہو جائے گا۔ البتہ جو دوسرا طریقہ درختوں کے خاندانوں کے نام رکھنے کا بتایا گیا ہے وہ زیادہ بہتر ہے اور عام طور پر مستعمل ہے، خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ یورپ کے کسی خاندان کے نہایت ممتاز افراد ہمیشہ وہی نہیں ہوتے جو ہندستان میں ہیں۔ بہرحال یہ نہایت ضروری ہے کہ کوئی صاحب جو نباتیات کا عام علم رکھتے ہوں اور اُردو بھی خوب جانتے ہوں اس کام کو انجام دیں۔

اگرچہ یہ انجمن انگریزی، عربی، سنسکرت اور فارسی زبانوں سے اعلیٰ درجے کی کتابیں اُردو، بنگالی اور ہندی میں ترجمہ کرنے کے لیے قائم کی گئی تھی لیکن سوائے اُردو کے بنگالی اور ہندی میں کوئی ترجمہ نہیں ہوا۔

سکریٹری نے اپنی رپوٹ میں اس کی کئی وجوہ بتائی ہیں۔ ایک تو یہ کہ انجمن کا سرمایہ محدود ہے اور فی الحال ہمیں اپنی کوششیں صرف ایک زبان تک محدود رکھنی چاہییں۔ دوسرے، علاوہ اس امر کے کہ بنگال سے صرف ایک ہی صاحب نے چندہ عطا کیا ہے، بنگالی زبان بہ نسبت ہندستانی کے زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ تیسرے، اردو ترجموں کے لیے دہلی کالج سب سے موزوں جگہ ہے، ہندی اور بنگالی ترجموں کے لیے اس قدر موزوں نہیں۔ چوتھے، ہندستانی زبان کمپنی کے علاقوں (بہار اور بالائی صوبوں) کی رعایا کے لیے ہندی کے مقابلے میں زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اور غالب ہے کہ رفتہ رفتہ یہی زبان ان علاقوں کے سرکاری مدارس اور کالجوں میں ذریعۂ تعلیم ہو جائے گی۔ فی الحال بڑی رکاوٹ اس میں یہ ہے کہ نصاب کی مناسب کتابیں نہیں ہیں اور اس لیے جہاں تک ممکن ہو ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہم ہندستانی زبان کی کامل "اسکول بک لائبریری" تیار کر دیں اور اس کے بعد احاطۂ بنگال کی باقی خاص زبانوں کی طرف توجہ کریں۔

رپوٹ کے آخر میں لکھتے ہیں کہ "مجلسِ انتظامی نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ بنگالی اور ہندی میں ترجموں کے تیار کرنے اور طبع کرنے کے قبل اردو کی ایک چھوٹی لائبریری کا مکمل کر لینا نہایت ضروری ہے خصوصاً مدارس کی کتب کا۔ ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی نے ان دو زبانوں میں کوئی کام نہیں کیا لیکن ہندستانی میں وہ پیچھے نہیں رہی۔ علاوہ اس کے اردو بہار اور صوبجات مغربی میں سرکاری زبان ہے اور اس لیے ہندی سے زیادہ اس کی اہمیت ہے۔"

اصل بات یہ ہے کہ اگرچہ انجمن کے مقاصد وسیع تھے اور وہ تینوں زبانوں کے لیے کام کرنا چاہتی تھی لیکن کام کرنے والا صرف ایک ہی شخص تھا یعنی دہلی کالج کے پرنسپل مسٹر بنٹروس۔ انھی نے اس سے پہلے یہ کام چھوٹے پیمانے پر اپنے کالج میں شروع کر رکھا تھا۔ جب یہ انجمن قائم ہوئی تو اس کا کام بھی کالج والے ہی کرتے تھے اور جیسا کہ ان کے ہاں پہلے سے ہوتا آیا ہے سب کتابیں اور ترجمے اُردو ہی میں مرتب ہوئے اور شروع ہی سے یہ انجمن اور اس کا سارا کام دلّی کالج کے ہاتھ میں آگیا اور یہ انجمن "دہلی کالج ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی" کہلانے لگی۔ ورنیکلر سوسائٹی، ٹرانسلیشن سوسائٹی، لائبریری آف یوسفل نالج وغیرہ سب اسی کے نام ہیں۔

دلّی کالج میں یہ کام پہلے ہی سے ہو رہا تھا۔ جب کالج کی جدید تنظیم ہوئی اور مغربی علوم کی تعلیم بھی لازم قرار پائی تو پھر وہی پرانی مشکل پیش آئی کہ کتابیں کہاں سے آئیں اور بغیر کتابوں کے تعلیم کا ہونا معلوم۔ قدیم السنہ یعنی عربی، سنسکرت یا فارسی میں جدید علوم اور تاریخ پر کوئی کتاب نہ تھی اور مولوی اور پنڈت ان مضامین کی تعلیم دے نہیں سکتے تھے، لہٰذا ایک صورت یہ نکالی گئی کہ تین طالب علم جن میں (ماسٹر) رام چندر پیش پیش تھے کالج کے کام کے بعد فلسفہ وریاضی وغیرہ کی کتابوں کا ایک ایک صفحہ اُردو میں ترجمہ کرتے اور پرنسپل بتروس ترجمہ پڑھ کر اصلاح دیتے۔ اس طرح جب کتاب ختم ہو جاتی تو چھاپنے کو دے دی جاتی اور نیچے کی جماعتوں کے نصابِ تعلیم میں شریک کر دی جاتی۔

مسٹر بتروس کا تقرر کالج کی پرنسپلی پر ۱۸۴۱ء میں ہوا اور اسی وقت سے انگریزی زبان کی کتابوں کا ترجمہ تھوڑا تھوڑا کر کے اردو میں ہونا شروع ہوا۔ ۱۸۴۳ء میں "انجمنِ اشاعتِ علوم بذریعہ السنہ ملکی" قائم ہوئی اور سرمایے کے بہم پہنچنے سے یہ کام کالج میں باقاعدہ ہونا شروع ہو گیا اور کتابیں "دہلی ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی" کی نگرانی میں طبع ہونے لگیں۔ پرنسپل بتروس نے اپنے ایک نوٹ میں بیان کیا ہے کہ کس طریقے سے دہلی کالج میں ترجمے کیے جاتے تھے۔ اس نوٹ کا ترجمہ یہاں درج کیا جاتا ہے:

"پرنسپل کی تحریک پر یا ان کے مشورے سے ہندستانی مدرس اور شعبۂ انگریزی کی اعلیٰ جماعت کے طالب علم کسی انگریزی مطبوعہ یا قلمی کتاب کو اردو ترجمے کے لیے انتخاب کرتے تھے۔ انھیں یہ پہلے ہی بتا دیا گیا تھا کہ اگر ان کے ترجمے اچھے ہوئے تو جہاں تک جلد ممکن ہوگا ان کے یہ ترجمے طبع کرا دیے جائیں گے اور انھیں ترجمے کی خوبی اور کام کی دشواری کا لحاظ کر کے فی صفحہ چھ آنے سے بارہ آنے تک کی شرح سے معاوضہ دیا جائے گا۔ طبع سے پہلے ترجمے کی نظرِ ثانی مترجم کے مواجہ میں صدر مدرس یا پرنسپل کرتے تھے یا کوئی قابل اور اہل ہندستانی مدرس اپنی فرصت کے اوقات میں اسے دیکھ لیتے تھے جب نظرِ ثانی ختم ہو جاتی تو ترجمہ چھپنے کے لیے دے دیا جاتا اور کوئی موزوں شخص اور عام طور پر خود مترجم، اس کے پروف دیکھتا۔

مشرقی زبانوں کے ترجموں میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا

جاتا تھا۔ صرف اتنا فرق تھا کہ یہ ترجمے نظرِ ثانی کے لیے صدر مدرس یا پرنسپل کی خدمت میں پیش نہیں کیے جاتے تھے۔ بلکہ یہ کام جیسا موقع ہوتا کسی مولوی یا پنڈت کے تفویض کر دیا جاتا تھا۔

مدارس کی درسی کتابیں جو اب تک دہلی کالج یا دوسری درس گاہوں کے استعمال کے لیے طبع ہوئی تھیں، ان کے صرف ایک ایک سو نسخے طبع کیے گئے تھے۔ اُن میں سے بہت سی کتابیں ختم ہو چکی ہیں اور بعض "مدرسے" (یعنی دہلی کالج کے مشرقی شعبے) میں جاری ہیں۔ ان کتابوں کے متعلق یہ قرار دیا گیا تھا کہ مدرسین پڑھاتے وقت تمام غلطیوں اور مبہم جملوں وغیرہ پر جو ان کی رائے میں قابلِ اصلاح ہیں، نظر رکھیں اور قلم بند کریں۔ بعد ازاں یہ مجوزہ اصلاحیں صدر مدرس یا پرنسپل کو دکھائیں اور اس کی پسندیدگی اور مشورے کے بعد دوسرے اڈیشن میں درج کر دی جائیں چونکہ ہر بعد کے اڈیشن میں یہی طریقہ عمل میں لایا جاتا ہے اس لیے توقع کی جاتی ہے کہ ہر ترجمہ گو شروع میں کیسا ہی ناقص ہو آخر میں تمام غلطیوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔

جب کسی انگریزی درسی کتاب کا اُردو میں اچھا ترجمہ ہو جاتا اور چھپ جاتا ہے تو وہ "مدرسے" میں بالکل اسی طرح کام آتی ہے جیسے کالج کے انگریزی شعبے میں اصل انگریزی کتاب۔ بعض اوقات کسی مولوی کو ایک ایسے نصابِ تعلیم کی بھی نگرانی کرنی پڑتی تھی جس میں ایک ایسی کتاب بھی داخل ہے جو انگریزی

کا ترجمہ ہو اور ایک ایسے فن سے متعلق ہو جس سے مولوی صاحب ناواقف ہیں تو ایسی حالت میں وہ خود بھی اس کتاب کا مطالعہ کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو بھی پڑھاتے تھے۔ اگر کسی انگریزی ماسٹر کو جو اُردو اچھی طرح بول سکتا ہو ایک اچھی نصاب کی کتاب اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں دے دی جائے تو وہ اُردو میں ایسی ہی آسانی اور خوبی سے تعلیم دے سکتا ہو جیسے انگریزی میں۔ اس کے لیے اسے یہ کرنا ہوگا کہ وہ اُردو ترجمہ اپنے طالب علموں کو پڑھ کر سنائے یا جماعت کے کسی طالب علم سے پڑھوائے۔ چونکہ اس کے ہاتھ میں انگریزی کتاب ہوگی وہ آسانی سے ترجمہ سمجھ لے گا اور تھوڑی سی مشق کے بعد بغیر زیادہ دقت کے زبانی کتاب کے مطالب سمجھانے پر قادر ہو جائے گا۔"

۱۸۴۵ء میں جب مسٹر بتروس بوجہ علالت اپنی خدمت سے علیحدہ ہو کر یورپ چلے گئے تو ان کی جگہ ڈاکٹر اسپرنگر کا تقرر ہوا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے بھی ترجمہ و تالیف کے کام کو اسی شوق اور سرگرمی سے جاری رکھا جیسا کہ ان سے پہلے ہو رہا تھا۔

۱۸۴۵ء میں کالج کی جو رپوٹ مجلس تعلیمی کی طرف سے سرکار میں پیش کی گئی تھی اس میں اس سوسائٹی کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہو:

"مسٹر بتروس کے جانشین مسٹر اسپرنگر اس کام کو اسی جوش سے انجام دے رہے ہیں جیسے وہ شروع کیا گیا تھا۔ اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ ان ترجموں کے تیار کرانے اور چھپوانے کے اخراجات ایک پرائیوٹ سوسائٹی ادا کرتی ہو لیکن

گورنمنٹ بھی اس کی امداد اس طرح کرتی ہو کہ اس کے مطبوعات کے
کچھ نسخے خرید کر کالجوں اور مدارس کو تقسیم کر دیتی ہو۔ یہ بہتر ہوتا اگر
ٹرانسلیشن سوسائٹی (مجلسِ ترجمہ) کی مساعی زیادہ باضابطہ اور منظم
ہوتیں اور پہلے سے مکمل فہرست ایسی کتابوں کی تیار کر لی جاتی جو
ہر مضمون کے متعلق مسلسل معلومات بہم پہنچانے کے لیے زیادہ مناسب
خیال کی جائیں۔ پھر یہ فہرست شائع کر دی جاتی اور مترجموں کو
دعوت دی جاتی کہ وہ کتب مندرجہ فہرست میں سے کسی کتاب
کا ترجمہ کریں۔ اس قسم کی تجویز کلکتہ کی کونسل آف ایجوکیشن نے
بھی سوچی تھی لیکن وہ عمل میں نہ آئی۔ جو کتابیں دہلی کالج میں تیار
ہوئی ہیں وہ انفرادی طور پر نہایت مفید ہیں اور جس جوش اور
مستعدی سے یہ کام یہاں سر انجام ہو رہا ہو وہ کسی دوسری جگہ
مشکل سے ہو سکتا تھا تاہم اس میں شبہہ نہیں کہ ان کتابوں کی
اصلاح اور ان کو عام فہم اور مقبول کرنے کی بہت کچھ ضرورت
ہو۔ یہ بہت عجلت میں تیار ہوئی ہیں اور کالج میں ایسے لوگوں
نے لکھی ہیں جو مشاق مترجم نہیں ہیں۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ
ابتدائی کام ہو اور ان سے بہتر اور اعلیٰ کتابوں کے لیے راستہ
تیار کیا گیا ہو۔"

یہ اعتراض صحیح نہیں ہو کہ سوسائٹی کے کام میں کوئی ضابطہ یا اصول
نہیں تھا۔ مسٹر بترس نے سوسائٹی کی رپورٹ سنہ ۱۸۴۳ و ۱۸۴۴ء
میں کتابوں کی نوعیت اور ترجمے کے طریقے وغیرہ پر مفصل بحث کی ہو۔
بات یہ ہو کہ کالج کو پہلے درسی کتابوں کی ضرورت تھی اور ابتدا میں ویسی

سی کتابیں ترجمہ بھی کی گئیں۔ بعد ازاں ساتھ ساتھ دوسری کتابوں کے ترجمے اور تالیف کا بھی انتظام کیا گیا جیسا کہ فہرستِ مطبوعات سے ظاہر ہوگا۔

سنہ ۴۷-۱۸۴۶ء کی رپوٹ میں سوسائٹی کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے۔

"سوسائٹی کی رپوٹ ۱۸۴۶ء سے معلوم ہوتا ہے کہ سوسائٹی کی طرف سے جو کتابیں شائع ہوئی ہیں پبلک میں ان کی مانگ بڑھتی جاتی ہے کیونکہ اس سال کتابوں کی فروخت سے جو رقم وصول ہوئی ہے وہ تقریباً اس رقم کے مساوی ہے جو گورنمنٹ سے کتابوں کی قیمت کی بابت وصول ہوئی ہے۔ تاہم کتابوں کا بہت سا ذخیرہ بھرا پڑا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ سوسائٹی کا سرمایہ پانچ ہزار آٹھ سو چودہ روپے پندرہ آنے پانچ پائی سے کم ہو کر تین ہزار دو روپے دو آنے ایک پائی رہ گیا ہے۔ اس لیے یہ اندیشہ ہے کہ اگر کوئی مناسب اور مفید تغیر نہ کیا گیا تو سرمایہ بہت جلد ختم ہو جائے گا۔ رپوٹ میں اس امر پر بھی بحث کی گئی ہے کہ جب بمبئی اور دوسرے مقامات کے علاوہ لکھنؤ میں بارہ اور دہلی میں سات سنگی مطبع ہیں اور وہ ایسی مقبول کتابیں شائع کرتے ہیں جو لوگ پسند کرتے ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ دہلی سوسائٹی اس قسم کی کتابیں طبع کر کے ان سے مقابلہ کرے۔

مگر تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ یورپ میں بھی سائنس کی کتابیں بغیر قومی سرپرستی کے کوئی مطبع نہیں چھاپ سکتا ورنہ

اسے خسارہ اٹھانا پڑے۔ لہٰذا توقع کی جاتی ہے کہ جن حضرات نے
انگریزی سائنسوں کو دیسی زبان کے ذریعے ہندستان میں شائع کرنے
کا بیڑا اٹھایا تھا وہ پھر سوسائٹی کی اعانت فرمائیں گے تاکہ وہ اپنا کام
جاری رکھ سکیں۔"

اس سے قبل بیان ہو چکا ہے کہ یہ سوسائٹی غیر سرکاری اصحاب کی اعانت سے چلتی تھی تاہم گورمنٹ اس کی مدد کرتی رہتی تھی اور جو نئی کتاب شائع ہوتی تھی اس کے متعدد نسخے خرید کر کالجوں اور مدرسوں میں تقسیم کرتی تھی۔ علاوہ اس کے اکثر ارکان سرکاری عہدے دار تھے۔ اور ابتدا میں خود لفٹنٹ گورنر The Hon. J. Thomason سوسائٹی کے سرپرست تھے۔ سرکاری امداد کا اس سے بھی اندازہ ہو گا کہ پرنسپل صاحب نے یہ تجویز کی کہ ریاضیات، طبیعی جغرافیہ، تحلیلی ہندسہ (Analytical Geometry) اور مخلوط ریاضی پر کتابیں شائع کی جائیں تاکہ مشرقی طلبا کو ان مضامین کے مطالعے کا موقع ملے۔ کتب مندرجہ حاشیہ[1] ترجمے کے لیے تجویز ہوئیں اور

---

[1] 1. Wand's Analytical Geometry

2. Young's Dynamicstand statics

3. Webster's Hydrostalics

4. Phelp's optics

5. L. U. K.'s Heat

6. L. U. K.'s Hydraulics

7. L. U. K.'s Double Refractian and Polarization

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۳۹ پر)

گورنمنٹ سے امداد کی درخواست کی گئی۔ گورنمنٹ کی خواہش پر لوکل کمیٹی تعلیم دہلی نے ان کتابوں کے اُردو ترجموں کے چالیس نسخوں کے طبع کا تخمینہ بھیجا اور یہ تجویز کیا کہ ان کا ترجمہ بالکلیہ ماسٹر رام چندر مدرس یورپین سائنس کے تفویض کیا جائے جو کمیٹی کی رائے میں ریاضیات اور نیچرل فلاسفی کا بہ خوبی علم رکھتے ہیں اور فوائد الناظرین اور محبِ ہند کے اڈیٹر کی حیثیت سے بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ کمیٹی نے اس امر کا اطمینان دلایا کہ ماسٹر صاحب ان کتابوں کا ترجمہ بہت اچھی طرح کریں گے۔ ان میں سے ہر کتاب کے چالیس نسخوں کے طبع کا خرچ آٹھ سو ستر روپے کیا گیا۔ لفٹنٹ گورنر نے اس تجویز کو منظور کیا اور لوکل کمیٹی سے اطمینان دلانے پر کہ مترجم اس کام کا اہل ہے اس رقم کے خرچ کرنے کا اختیار کمیٹی کو دیا۔

اس میں ذرا شبہہ نہیں کہ اُردو کو علمی زبان بنانے کی یہ پہلی سعی تھی جو خاص اصول اور قاعدے کے ساتھ عمل میں آئی۔ اب میں ان کتابوں کی فہرست دیتا ہوں جو اس سوسائٹی نے لکھوائیں یا طبع کرائیں۔ اس سے اُس کے قابلِ قدر کام کا صحیح اندازہ ہوگا۔

سوسائٹی کے ترجموں اور تالیفات کی فہرست

۱۔ تحریرِ اقلیدس مقالہ ۱ تا ۶ و ۱۱ و ۱۲

صفحہ ۱۳۸ کا بقیہ نوٹ

8. Trail's Physical Geography

9. Rogett's Electricity

10 Rogtt's Galvani m

۲- اصولِ قانون
۳- تاریخ ہند (زمانۂ قدیم سے تا زمانۂ حال)
۴- اصولِ حکومت
۵- اصولِ قوانینِ مال گزاری
۶- اصولِ قوانینِ اقوام
۷- تاریخِ انگلستان (خلاصہ تاریخ گولڈ سمتھ کا ترجمہ)
۸- الجبرا (ترجمہ برجز)
۹- علمِ مثلث و تراشں ہائے مخروطی
۱۰- عملی علمِ ہندسہ (پریکٹکل جیومیٹری)
۱۱- اصولِ علمِ ہیئت (ترجمہ علمِ ہیئت ہرشل ابتدائی آٹھ باب۔ علمِ ہیئت بونی کیسل بارھواں باب۔ تتمہ از انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا)
۱۲- تاریخِ اسلام
۱۳- تاریخِ یونان
۱۴- تاریخِ روما
۱۵- رسالۂ کیمسٹری (ترجمۂ پارکر)
۱۶- استعمالِ آلاتِ ریاضی
۱۷- اٹلس (جغرافیہ)
۱۸- قواعدِ اُردو
۱۹- انتخابِ شعرائے اُردو
۲۰- انتخابِ الف لیلہ
۲۱- شمسیہ (منطق میں)

۲۲۔ سراجیہ (اسلامی قانونِ وراثت پر)
۲۳۔ ترجمۂ گلستاں
۲۴۔ قانونِ محمدی فوج داری (ترجمۂ کتاب میکناٹن)
۲۵۔ اُردو لغات (یہ کتاب تیار ہوئی مگر چھپنے نہ پائی)
۲۶۔ قانونِ مال (ترجمہ مارشمین)
۲۷۔ لیلاوتی (حساب)
۲۸۔ راماین
۲۹۔ مہابھارت (انتخاب)
۳۰۔ نل دمن
۳۱۔ دیوانِ سودا
۳۲۔ دیوانِ درد
۳۳۔ دیوانِ میر تقی
۳۴۔ دیوانِ جرأت
۳۵۔ نیچرل فلاسفی
۳۶۔ پولیٹیکل اکانومی (معاشیات۔ ترجمۂ ویلنڈ)
۳۷۔ تحلیلی علمِ ہندسہ (Analytical Geometry)
۳۸۔ خلاصۂ شاہ نامہ (اُردو میں)
۳۹۔ مبادیاتِ تفرقی احصا و تکمیلی احصا (Elements of the Differential and Integral Calculus)
۴۰۔ تاریخِ ایران
۴۱۔ میکانیات (لارڈنر)

۴۲ - نیچرل تھیالوجی (پیلے)

۴۳ - تاریخِ اکتشافِ برّی و بحری

۴۴ - محاوراتِ اُردو

۴۵ - ترجمۂ تزکِ تیموری

۴۶ - ترجمہ Smith's Moral Sentiments

۴۷ - یوسف خاں کی سیاحتِ یورپ

۴۸ - جغرافیۂ قدیم کے نقشے

۴۹ - اصولِ جبرو مقابلہ

۵۰ - مختصر خاکۂ تاریخِ عالم (بریف سروے آف ہسٹری از مارشمین) دو جلد

۵۱ - انتخاب پلوٹارکس لائوز (مشاہیرِ یونان و روما)

۵۲ - دھرم شاستر

۵۳ - شرعِ اسلامی

۵۴ - سکپ وتھ کا خلاصۂ قانون فوجداری

۵۵ - پرنسیپ کا خلاصۂ قانون دیوانی

۵۶ - مارشمین کا سول گائڈ مع خلاصہ شرع اسلامی و دھرم شاستر

۵۷ - ضابطۂ مال گزاری (مارشمین)

۵۸ - زلیخا

۵۹ - بدرِ منیر

۶۰ - لیلیٰ مجنوں

۶۱ - حدائقہ البلاغہ

۶۲ - شکنتلا

۶۳۔ سنسکرت اور انگریزی ڈرامے

۶۴۔ رگھوونش (کالی داس کا ڈراما)

۶۵۔ تعلیم نامہ

۶۶۔ جامع الحکایات

۶۷۔ تاج الملوک و بکاؤلی

۶۸۔ اسسٹنٹ میجسٹریٹ گائیڈ

۶۹۔ تاریخِ خاندانِ مغلیہ (تیمور کے زمانے سے شاہ عالم تک)

۷۰۔ فلسفہ (Abercrombie's Mental Philosophy) (زیرِ ترجمہ)

۷۱۔ نگارستان (زیرِ ترجمہ)

۷۲۔ تاریخِ چارلس دوازدہم (زیرِ ترجمہ)

۷۳۔ جغرافیۂ طبعی (ترجمہ ٹربیل)

۷۴۔ علم و عملِ طب (عربی سے) (زیرِ ترجمہ)

۷۵۔ طبعی نباتیات (زیرِ ترجمہ)

۷۶۔ حفظانِ صحت (زیرِ ترجمہ)

۷۷۔ عضویات (علمِ افعالِ عضویات) (زیرِ ترجمہ)

۷۸۔ علمِ معدنیات (")

۷۹۔ تذکرۂ حکما

۸۰۔ مساحت (ترجمہ تہیوڈولک)

۸۱۔ چشمۂ فیض (مختصر قواعد اُردو)

۸۲۔ طبیعیات (ترجمہ ارناٹ)

۸۳۔ صرف و نحو انگریزی (اُردو میں)

۸۴۔ عملی ساحتِ زمین

۸۵۔ Sextant کا ترجمہ

۸۶۔ ہندستان کے پیداواری ذرائع (ترجمۂ رایل)

۸۷۔ سوانح عمری رنجیت سنگھ

۸۸۔ رسالۂ طب

۸۹۔ ترجمہ ابوالفدا (تین جلدوں میں)

۹۰۔ تاریخِ کشمیر

۹۱۔ جغرافیۂ ہند

۹۲۔ فرائد الدہر (تاریخ شعرائے عرب)

۹۳۔ تاریخِ بنگال

۹۴۔ رسالۂ مقناطیس (لائبریری آف یوسفل نالج کے رسالے کا ترجمہ)

۹۵۔ تذکرۂ ہند شعرا

۹۶۔ رسالہ جراحی (سرجری)

۹۷۔ حرکیات و سکونیات (Young's Dynamics & statics)

۹۸۔ Webster's Hydrastatics کا ترجمہ

۹۹۔ علم المناظر (ترجمۂ فلپ، (Phelp)

۱۰۰۔ حرارت (لائبریری آف یوسفل نالج کے رسالے کا ترجمہ)

۱۰۱۔ ترجمہ Hydraulics (") (")

۱۰۲۔ ترجمہ Double refraction & Polarization of light (")

۱۰۳۔ رسالۂ علم برق (ترجمۂ زاجٹ)

۱۰۴۔ گالون ازم

۱۰۵۔ حکمائے یونان

۱۰۶۔ حالات ہندستان ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا آف جیوگرافی مرتبہ مرے

۱۰۷۔ ہدایت المبتدی

۱۰۸۔ مزید الاموال یا سلاح الاحوال (علم زراعت)

۱۰۹۔ رسالۂ اصول حساب (ترجمہ ڈی مورگن)

۱۱۰۔ ترجمہ تاریخ الحکما، ترجمہ تذکرۃ المفسرین (جلال الدین سیوطی)
تذکرۃ الفقہا خلاصۂ وفیات اعیان ترجمہ تاریخ ابن خلکان

۱۱۱۔ تذکرۂ شعرائے ہند

۱۱۲۔ رسالۂ طب (انگریزی سے)

۱۱۳۔ تذکرۃ الکاملین

۱۱۴۔ سننِ ترمذی (اُردو ترجمہ)

۱۱۵۔ رسالۂ ربون شادر اثبات وجود باری

۱۱۶۔ قصۂ چہار درویش معروف بہ باغ و بہار

۱۱۷۔ قصۂ یوسف سلیمانی

۱۱۸۔ تذکرہ سکندر اعظم

۱۱۹۔ رسالہ احکام الایمان

۱۲۰۔ تاریخ مسعودی

۱۲۱۔ رسالہ مرایا مناظر (برشل صاحب)

۱۲۲۔ تذکرہ سسرو

۱۲۳۔ مختصر قدوری

۱۲۴۔ تاریخ یمینی

۱۲۵۔ کلیلہ دمنہ

۱۲۶۔ احوال المفسرین (عبدالرحمٰن سیوطی)

۱۲۷۔ تذکرہ ڈِلموستینیز

۱۲۸۔ فوائد الافکار فی اعمال الفرجار

کالج کے اساتذہ

پرنسپل جدید تنظیم کے وقت جب ۱۸۲۵ء میں کالج کی صورت قائم ہوئی تو جے۔ایچ ٹیلر مجلس مقامی کے (جو کالج کی انتظامی کمیٹی تھی) سکرٹری اور کالج کے سکرٹری اور سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوئے۔ ابتدا میں ان کا تقرر ۱۷۵ رُپے ماہانہ پر ہوا بعد میں تین سو رُپے ہو گئے۔ ان کے ذمے بہت سے دوسرے کام تھے اور کالج پر بہت کم وقت صرف کر سکتے تھے، لہذا مجلسِ مقامی نے ۱۸۳۷ء میں یہ تجویز کی کہ مسٹر ٹیلر کالج کے پرنسپل مقرر کیے جائیں اور ان کی تنخواہ آٹھ سو رُپے ماہانہ قرار دی جائے۔ گورمنٹ نے اس تجویز کی منظوری کو بعض حالات کی دریافت پر ملتوی رکھا اور کالج یونھیں چلتا رہا۔

۱۸۳۹ء میں جنرل کمیٹی نے یہ تجویز پیش کی کہ کالج کا ایک پرنسپل مقرر کیا جائے جو اپنا تمام وقت کالج کے فرائض انجام دینے میں صرف کرے اور مشرقی شعبے نیز انگلش انسٹی ٹیوشن کی عام نگرانی کرے اور انگریزی شعبے کی اعلیٰ جماعتوں کو سائنس اور ادب کی اعلیٰ شاخوں میں تعلیم دے اور اس کے ساتھ ہی مقامی مجلس کے سکرٹری کی خدمات بھی انجام دے۔ یہ تجویز منظور ہوئی اور ۱۸۴۱ء میں مسٹر ایف بتروس کا تقرر کالج کی پرنسپلی پر ۶۰۰ رُپے ماہانہ پر ہوا۔

یہ بہت قابل اور صاحب، علم شخص تھے، انھوں نے مشرقی شعبے

میں مغربی علوم کی ترویج میں بڑی کوشش کی اور دیسی زبان میں ترجمے کے ذریعے علم کی اشاعت کے بڑے حامی تھے۔ چنانچہ دہلی ورنیکلر ٹرانس لیشن سوسائٹی کے قیام و ترقی میں ان کا بہت بڑا حصہ تھا اور یہی اس کے سکرٹری تھے۔ اس انجمن کا مقصد یہ تھا کہ علوم مفیدہ کا دیسی زبان میں ترجمہ کیا جائے یا کتابیں تالیف کی جائیں مسٹر بٹروس نے جس مستعدی اور حقیقی سرگرمی اور خلوص سے اس سوسائٹی کے ترقی دینے اور کتابوں کے ترجمے کرانے میں کوشش کی وہ نہایت قابلِ قدر ہے اور ان کا احسان اُردو زبان پر ہمیشہ رہے گا۔ دہلی کالج میں انھوں نے بہت سی اصلاحیں کیں اور مشرقی شعبے کی تعلیم کو قابلِ اطمینان حالت میں چھوڑا اور اس کو مغربی علوم کی تعلیم میں انگریزی شعبے کے برابر برابر کر دیا، کمی جو کچھ تھی وہ صرف کتابوں کی تھی۔ ۱۸۴۵ء میں بوجہ بیماری دو سال کی رخصت لے کر انگلستان چلے گئے۔ مسٹر بٹروس نے دراصل استعفا داخل کیا تھا اور درخواست یہ کی تھی کہ فی الحال وہ دو سال کے لیے جا رہے ہیں، اس اثنا میں اگر ان کی صحت اچھی ہو گئی تو بلا خیال ان کے استعفے کے انھیں ہندستان آنے پر بحال کر دیا جائے۔ گورمنٹ نے یہ بات منظور کر لی لیکن افسوس انھیں پھر آنا نصیب نہ ہوا۔

ان کی جگہ ڈاکٹر اے سپرنگر، ایم۔ ڈی اسسٹنٹ سرجن بنگال سروس کا تقرر ہوا اور کالج کو مسٹر بٹروس کا نعم البدل مل گیا۔

ڈاکٹر سپرنگر عربی زبان و ادب کے عالم تھے اور اس لیے دلّی کے مسلمان شرفا اور اہلِ علم میں انھوں نے جلد اثر پیدا کر لیا اور

شہر میں وہ بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ دوسرے، دہلی ورنیکلر سوسائٹی جس نے اُردو زبان کے ذریعے مغربی علوم کی اشاعت میں بڑا کام کیا تھا اور مشرقی شعبے کے طلبا کی تعلیم اور تشویقِ علم میں بڑی مدد دی تھی۔ اس کے وہ رُوحِ رواں تھے۔ انھوں نے کالج کی ترقی اور اصلاح میں بڑی مستعدی اور شوق سے کام کیا۔ نصابِ تعلیم میں خاص کر مشرقی شعبے کے نصاب میں معقول اصلاحیں کیں۔ چنانچہ نصاب کی خاطر تاریخ یمینی کو ایڈٹ کیا اور چھپوایا، حماسہ اور متنبی کے نسخے بہم پہنچائے اور عربی ادب کے نصاب میں شریک کرائے۔ انتظامی حالت بھی ان کے زمانے میں بہت اچھی رہی۔ علاوہ اس کے وہ ورنیکلر ٹرانس لیشن سوسائٹی کے سکرٹری بھی تھے اور اسی جوش سے کام کر رہے تھے جیسے ان کے پیش رو مسٹر بتروس۔

فروری ۱۸۴۸ء میں ڈاکٹر صاحب بحکم گورمنٹ آف انڈیا لکھنؤ میں خاص کام پر متعین کیے گئے۔ وہاں انھیں شاہانِ اودھ کے کتب خانے کی فہرست تیار کرنے کا کام تفویض کیا گیا۔ یہ فہرست ان کی بڑی یادگار ہے اور بڑی قابلیت اور محنت سے تیار کی گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی غیر حاضری میں ہیڈ ماسٹر (مسٹر ٹیلر) ان کے قائم مقام ہوئے۔

ڈاکٹر صاحب لکھنؤ میں خاصی مدّت تک رہے۔ وہاں کا کام ختم ہو گیا تو چودہ جنوری ۱۸۵۰ء کو اپنی اَصل خدمت پر عود کیا لیکن انیس اپریل ۱۸۵۰ء کو بہ بوجہ علالت شملے چلے گئے۔ اس کے بعد مئی ۱۸۵۰ء میں ان کی خدمات بنگال میں منتقل کر دی گئیں تو پرنسپلی کی خدمت پر مسٹر جے کارگل کا تقرر ہوا۔

مسٹر کارگل کے چلے جانے کے بعد ۱۸۵۴ء میں مسٹر ٹیلر قائم مقام پرنسپل ہو گئے۔ یہ بہت پرانے استاد تھے اور ابتدا سے ان کا تعلق کالج سے چلا آ رہا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی شورش میں یہی پرنسپل تھے اور جس بے کسی کی حالت میں وہ مارے گئے اس کا ذکر اس سے قبل ہو چکا ہے۔ ان کے قتل کا سب کو رنج تھا، خاص کر ان کے طالب علموں کو بہت صدمہ ہوا۔

مسٹر ٹیلر نے دلی کالج میں تیس برس تک ہیڈ ماسٹری کی اور دو تین سال تک پرنسپل رہے۔ وہ طلبا پر پدرانہ شفقت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ سب میری اولاد ہیں اور ان سے بہتر اولاد ہو نہیں سکتی، کیونکہ یہ سب صاحبِ لیاقت نیک سیرت اور نیک اطوار ہیں۔ ان کے اخلاقِ حمیدہ کا طلبا پر بہت گہرا اثر تھا۔ وہ ان سے سچی محبت کرتے تھے۔ بعض (ہندو) طلبا نے تو ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر اپنا مذہب تک بدل دیا۔

ناظم صاحب تعلیماتِ ممالکِ مغربی شمالی نے مسٹر ٹیلر کی وفات پر مفصلہ ذیل الفاظ لکھے :-

"میں مسٹر ٹیلر کی بیش بہا کارگزاری کی تصدیق کرتا ہوں۔ گورمنٹ کے کسی محکمے میں ان سے زیادہ صادق اور قابلِ قدر کوئی شخص نہ تھا۔ ان کے طویل قیامِ دہلی اور طلبا سے گہری واقفیت نیز اس ادب و احترام کی وجہ سے جو دہلی والے ان کا کرتے تھے اور بوجہ اس اثر کے جو وہ کالج کے ہندستانی اساتذہ پر رکھتے تھے، انھوں نے بہت سی اصلاحیں بغیر کسی مخالفت کے

جاری کیں اور کالج کو بڑی ترقی کے درجے تک پہنچایا۔"
جب کالج ۱۸۶۴ء میں پھر کھلا تو مسٹر ایڈمنڈ ولمٹ بی۔ اے، ٹرنٹی کالج کیمبرج انگلستان سے آئے اور پرنسپلی کی خدمت پر فائز ہوئے۔ لیکن تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ ان پر ایک ایسا حادثہ گزرا کہ کالج ان کی خدمات سے محروم ہو گیا اور ان کی ملازمت کا بہت سا حصہ بیماری میں کٹا۔ وہ ریاضی کے بڑے عالم تھے اور کالج کے درجوں اور انٹرنیس کی جماعت کو ریاضی پڑھاتے تھے۔ علاوہ اس کے وہ اُردو اور عربی سے انگریزی ترجمے کی بھی تصحیح کرتے تھے۔
مسٹر بتروس، ڈاکٹر سپرنگر اور مسٹر ٹیلر یہ کالج کے تین پرنسپل ایسے گزرے ہیں کہ انھوں نے کالج کی سچی خدمت کی اور اس کی ترقی و اصلاح میں دل سے کوشش کی۔ طلبا اور اساتذہ پر ان کا بڑا اثر تھا اور شہر والے بھی ان کا ادب کرتے تھے۔ خاص کر مشرقی شعبے کی اصلاح اور اُردو زبان میں مغربی علوم کے ترجموں کے متعلق مسٹر بتروس اور ڈاکٹر سپرنگر نے جو بے ریا کوشش کی وہ بہت قابلِ قدر ہے۔
انگریز اساتذہ میں پروفیسر ایلس بھی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ وہ انگریزی ادب کے بڑے فاضل مانے جاتے تھے اور ان کی قابلیت کا سکّہ بیٹھا ہوا تھا۔ پرنسپل ان کو پروفیسروں کی جان سمجھتے تھے اور بے حد تعریف کرتے تھے۔ طلبا سے ان کا ایسا اچھا برتاؤ تھا کہ وہ بھی ان پر جان چھڑکتے تھے، لیکن انھیں شراب کی ایسی دھت لگ گئی کہ اس نے بالکل تباہ کر دیا۔ کچھ دنوں انھوں نے مسٹر ولمٹ کے جانے کے بعد پرنسپلی بھی کی۔ لیکن ان کی ہر وقت کی شراب نوشی کا یہ نتیجہ ہوا کہ گئی

بار تنزل ہوا اور آخر پروفیسری سے سیکنڈ ماسٹر کر دیے گئے۔ لیکن اس عالت میں بھی کالج کی جماعتیں درس کے لیے انھی کے پاس بھیجی جاتی تھیں۔

مشرقی شعبے کے بعض اساتذہ

عربی کے صدر مدرس مولوی مملوک علی بڑے جیّد عالم تھے اور شہر ہی میں نہیں بلکہ دور دور ان کے علم و فضل کی شہرت تھی۔ مولوی کریم الدین اپنی کتاب طبقات الشعرائے ہند میں لکھتے ہیں کہ

"مدرس اوّل مدرسۂ دہلی عالم بے بدل اور منتقی بے مثل اور فاضل کامل ہیں۔ عہدۂ میر مولوی بہ مشاہرہ سو روپیہ ماہواری مدرسے میں مقرر ہیں۔ حق یہ ہے کہ اس فاضل کی جیسی قدر چاہیے ویسی نہیں کیونکہ ایسے عمدہ فاضل بے بدل بہت کم ہوتے ہیں اور در واقع میں بنائے مدرسۂ عربی ان کی ذات سے مستحکم ہے۔ فارسی اور اردو اور عربی تینوں زبانوں میں کمال رکھتے ہیں۔ ہر ایک علم و فن سے جو ان زبانوں میں ہیں، مہارتِ تامہ ان کو حاصل ہے۔ اور جس فن کی کتاب اردو زبان میں انگریزی سے ترجمہ ہوتی ہے اس کے اصلِ اصول سے بہت جلد ان کا ذہن چسپاں ہو جاتا ہے گویا اس فن کو اوّل ہی سے جانتے تھے۔ اور جس کار پر مامور ہیں اس میں کبھی کسی طرح کا حتی الوسع ان سے قصور نہیں ہوا۔ مدرسے میں ان کی ذات بابرکات سے اتنا فیض ہوا ہے کہ شاید کبھی کسی زمانے میں کسی استاد سے ایسا ہوا ہو۔ بندے کے زعم میں یہ ہے کہ کبھی ایسا فائدہ لوگوں نے کسی فاضل سے نہ اٹھایا ہوگا۔ اگر ان کو کانِ علم اور مخزنِ اسرار کہوں تو بجا ہے۔ کوئی کتاب کسی فن کی

مشکل ان کے پاس لے جاؤ حفظ پڑھا دیں گے گویا اس کو حفظ کر رکھی ہے۔ اس لیے رات دن سوائے مدرسے کے ان کے گھر پر طلبا پڑے رہتے ہیں، ہر وقت ان کو گھیرے رہتے ہیں۔ اور وہ خلیق اس طرح کے ہیں کہ کسی سے انکار نہیں کر سکتے، سب کو پڑھاتے ہیں...... عمر ان کی ۱۸۴۷ء میں ساٹھ برس کی ہوگی۔ بہت خندہ پیشانی اور عقل مند اور ذکی اور ذہین اور تیز فہم اور محقق اور مدقق ہیں۔ تحریرِ اقلیدس کا ترجمہ اُردو میں چار مقالہ اوّل کا اور دو مقالوں آخر گیارھویں اور بارھویں کا کیا ہے۔ حق یہ ہے کہ علمِ ہندسہ کو پانی کی طرح بہا دیا ہے۔ اصل وطن ان کا نانوتہ ہے مدت سے شاہ جہاں آباد میں رہتے ہیں"۔ مولوی صاحب نے سننِ ترمذی کا ترجمہ بھی اُردو میں کیا تھا۔

† مولوی امام بخش صہبائی صدر مدرس فارسی اپنے وقت کے بہت بڑے فارسی ادیب تھے۔ مصنف اور شاعر بھی تھے۔ ان کی کتابیں نصابِ تعلیم میں داخل تھیں۔ ان کی تصانیف اب تک پڑھی جاتی ہیں۔ شہر میں ان کی بڑی عزت تھی۔ علاوہ فارسی کی مشہور تالیفات کے اُردو صرف و نحو پر بھی ایک اچھی کتاب لکھی، جس کے آخر میں بہ ترتیب حروفِ تہجی اُردو کے محاورات اور کہیں کہیں ضرب الامثال بھی درج ہیں حدائق البلاغت (تصنیف شمس الدین) کا ترجمہ اُردو میں کیا۔ شعرائے اُردو کا انتخاب بھی تیار کیا تھا جو اسی زمانے میں طبع ہو کر شائع ہوا۔

ان کے تقرر کا عجیب واقعہ ہے۔ ۱۸۴۰ء میں جب آنریبل مسٹر ٹامسن لفٹننٹ گورنر مدرسے کے معائنے کے لیے آئے تو انھوں نے یہ تجویز کی کہ ایک مستعد فارسی مدرس کا تقرر ہونا چاہیے۔ مفتی صدر الدین خاں

صدر الصدور نے عرض کی کہ ہمارے شہر میں فارسی کے استاد صرف تین شخص ہیں۔ ایک مرزا نوشہ۔ دوسرے حکیم مومن خاں، تیسرے امام بخش صہبائی۔ لفٹننٹ گورنر بہادر نے تینوں کو بلوایا۔ مرزا نوشہ بھلا یہ روگ کیوں پالنے لگے تھے، انھوں نے تو انکار کر دیا۔ مومن خاں نے یہ شرط کی کہ سو روپے ماہانہ سے کم کی خدمت قبول نہ کروں گا۔ مولوی امام بخش کا کوئی ذریعۂ معاش نہ تھا انھوں نے یہ خدمت چالیس روپے ماہانہ کی قبول کر لی۔ بعد میں پچاس ہو گئے۔

مولوی سبحان بخش جن کی کتاب "محاوراتِ ہند" مشہور ہے اور کئی بار چھپ چکی ہے، دلی کالج کے قابل اور کارگزار مدرس تھے۔ پرنسپل نے اپنی رپورٹوں میں جابجا ان کی تعریف کی ہے۔ وفیاتِ اعیان ترجمۂ تاریخ ابن خلکان انھی کا کیا ہوا ہے۔ تزکِ تیموری کا ترجمہ بھی اُردو میں کیا۔ اس کے علاوہ ایک تذکرۂ مفسرین اور ایک تذکرۂ حکما بھی لکھا۔

ماسٹر وزیر علی اور ماسٹر امیر علی بھی دہلی کالج کے قابل اور مشہور اساتذہ میں سے تھے۔

ماسٹر رام چندر کالج ہی کے ایک ممتاز طالب علم تھے جو بعد میں سائنس کے ماسٹر ہو گئے اور اب تک ماسٹر رام چندر ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ رپورٹوں میں ان کی کارگزاری کی بہت تعریف کی گئی ہے۔ ریاضی کے بڑے استاد تھے۔ اس علم میں ان کی تصانیف بھی ہیں۔ سائنس کی تعلیم اُردو زبان میں دیتے تھے اور طلبا ان سے بے حد خوش تھے اور بڑی محنت کرتے تھے۔ ان کا ذکر قدیم طلبا کے ضمن میں تفصیل سے کیا جائے گا۔

ضیاءالدین بھی (جو بعد میں شمس العلما ڈاکٹر ضیاء الدین ہوئے) اسی کالج کے طالب علم تھے۔ ۱۸۶۳ء میں اسسٹنٹ پروفیسر عربی کی خدمت پر مقرر کیے گئے اور بعد میں پروفیسر ہو گئے۔

ماسٹر پیارے لال بھی کالج ہی کے طالب علم تھے اور ابتدا میں یہیں مدرس ہوئے۔ ان کی کارگزاری کی بھی تعریف لکھی گئی ہے۔ ان کے مفصل حالات قدیم طلبا کے تحت میں بیان کیے جائیں گے۔

بھیروں پرشاد بھی یہیں کے طالب علم تھے جو بی۔ اے میں تمام یونیورسٹی میں اول آئے تھے، اسی کالج میں اسسٹنٹ پروفیسر ہو گئے۔

مولوی ذکاء اللہ بھی یہیں کے طالب علم اور سینیر پرشین اسکالر تھے۔ انھوں نے بھی ابتدا میں دہلی کالج ہی میں بیس روپے ماہانہ پر مدرسی کی خدمت قبول کر لی تھی۔

مولوی احمد علی دہلی کے رہنے والے تھے، مدرسۂ دہلی میں مبتدیوں کو فارسی پڑھاتے تھے۔ قواعد اردو مسمی بہ "چشمۂ فیض" انھی کی تالیف ہے۔

میر اشرف علی مدرسے میں منشی تھے اور بہت قابل شخص تھے۔ تاریخ کشمیر کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا۔ رسالۂ اصولِ حساب کی تالیف میں بابو ہر دیو سنگھ کو مدد دی اور بریف سروے آف ہسٹری کے اردو ترجمے کی اصلاح کی۔ مولوی کریم الدین نے ان کے اخلاق اور لیاقت کی بہت تعریف لکھی ہے۔

پنڈت رام کشن دہلوی بھی اسی مدرسے میں مدرس تھے۔ انگریزی اور فارسی میں بہت اچھی قابلیت تھی اور اردو میں خوب لکھتے تھے۔ ایک رسالہ علم طب میں انگریزی سے ترجمہ کیا۔ اور اصولِ قوانین دیوانی

و فوج داری، اصول قانون کلکٹری، اصول قوانین گورمنٹ، سیر اسلام کے چوتھے باب اور میکناٹن کے اصول دھرم شاستر کا ترجمہ کیا۔ قواعدِ صرف و نحو انگریزی ڈاکٹر اسپرنگر کی مدد سے اُردو میں تالیف کی۔ اور ایک کتاب فنِ زراعت پر "مزید الاموال باصلاح الاحوال" کے نام سے لکھی۔

ماسٹر حسینی مدرسے میں بچوں کی تعلیم پر مقرر تھے۔ تاریخِ مغلیہ کا ترجمہ اُردو میں کیا۔ تاریخِ ایران (مؤلفۂ کوندر) کا اُردو ترجمہ بھی انھی کا ہے۔ علاوہ ان کے میکناٹن کی شرع شریف، قانون محمدی فوج داری (مؤلفہ میکناٹن)، قانونِ وراثتِ اسلامی (مؤلفہ میکناٹن)، سکیپ وتھ کے خلاصۂ قانون دیوانی، قانونِ فوج داری کے ترجمے انھی کے قلم کے ممنون ہیں۔

ہردیو سنگھ منشی گری کی خدمت پر مامور تھے بہت محنتی، ہوشیار اور خلیق شخص تھے۔ رسالۂ پیمائش (دو حصّوں میں) انھی کی تالیف ہے جو بعدِ اصلاح مولوی قادر علی طبع ہوا۔ پرفیسر ڈیمورگن کی کتاب اصولِ حساب کا ترجمہ اُردو میں کیا جس کی اصلاح منشی اشرف علی نے کی اور سوسائٹی نے طبع کرایا۔

ماسٹر نور محمد تحتانی جماعتوں کے مدرس تھے۔ انھوں نے تاریخ بنگال ور تاریخ مغلیہ کا ترجمہ کیا۔ تاریخِ مغلیہ کے ترجمے میں ماسٹر حسینی بھی شریک تھے۔

مولوی حسن علی خاں فارسی کے مدرس تھے بہت قابل اور ہوشیار شخص تھے۔ قانونِ مال، گلستان سعدی اور الف لیلہ (منتخب) کا ترجمہ اُردو میں کیا۔ اور پرنسپل صاحب کی فرمایش سے کرۂ ارضی کا بھی ترجمہ کیا۔ یہ سب کتابیں سوسائٹی نے طبع کرائیں۔

کالج کے بعض قدیم طالب علم

جس طرح درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ اسی طرح انسان اپنے کرموں سے اور ایک ادارہ اپنے کاموں سے جانچا جاتا ہے۔ دلی کالج کا پھل اس کے وہ سپوت ہیں جو اس کی آغوش میں پلے اور پھلے پھولے اور جنھوں نے علم کے اس نور سے جو ان کے سینوں میں مشتعل تھا اپنے ملک اور اپنی زبان کو جگمگا دیا علم کے وہ پجاری آج ہمارے ان کے دیوتا ہیں۔ ان کے نام اُردو زبان کی تاریخ میں روشن ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں جن کی جگمگاہٹ کبھی کم نہ ہوگی۔ وہ بھی کیا زمانہ تھا جب دلی کالج نیا نیا قائم ہوا تھا اور دلی کے شریف مگر غریب گھرانوں کے بھولے بھالے بچے جنھوں نے قدیم خیالات اور اخلاق اور آخری زمانے کے زوال یافتہ ماحول میں پرورش پائی تھی، جوق جوق اس سرچشمۂ علم کے کنارے جمع ہو رہے تھے۔ وہ زمانے کی نیرنگیوں سے بے خبر اور اس دور کے انقلاب سے جو سروں پر منڈلا رہا تھا بے فکر اپنے شفیق استادوں کی زیر نگرانی ایک نئے مطالعے میں مصروف تھے کلی کے کھلنے کی ایک آن ہوتی ہے جس میں وہ پھول بن جاتی اور اپنی معصومیت کو کھو کر زندگی کی نئی منزل میں جا پہنچتی ہے۔ لڑکپن سے نکل کر شباب کی سرحد میں پہنچنے کا ایک خاص وقت ہوتا ہے جب کہ بھولے پن کو خیرباد کہہ کر انسان کشمکشِ حیات کے ایک عجیب و غریب عالم میں جا پہنچتا ہے۔ یہی وقت ایک شوقین طالب علم پر گزرتا ہے جو دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنی کتابوں کے ورق لوٹنے میں مصروف ہے،

اسی الٹ پلٹ میں دفعتاً اس کے دل کا قفل کھلتا ہے اور وہ اپنے سینے کو ایک نئی روشنی سے معمور اور اپنے آپ کو ایک نئے عالم میں پاتا ہے۔ یہ ایک عجیب وقت ہے جس کی کیفیت بیان کرنے سے زبان قاصر اور مصور کا قلم عاجز ہے۔ دلی کا لڑکا جس نے گھر کی چار دیواری اور پرانی روایتوں اور قصوں میں پرورش پائی ہے، بغدادی قاعدہ، قرآن کی دو چار سورتیں یا ایک آدھ مذہبی رسالہ یا زیادہ سے زیادہ کریما نامقیماں پڑھ کر اس قصر میں قدم رکھتا ہے جہاں زمانے کے بعض نباضوں نے آدم گری کا بیڑا اٹھایا ہے۔ وہاں جا کر وہ نئی صورتیں، نیا رنگ، نئی بات چیت دیکھتا ہے۔ اول اول ڈرتا، گھبراتا، جھجکتا اور جھینپتا ہے اور پھر کچھ دنوں بعد یہی بھیانک مقام اس کا پیارا ہو جاتا ہے۔ اب ایک وقت آتا ہے جب کہ مغربی علوم کی صدا اس کے کانوں میں اپنی کمزور مگر شیریں زبان کے ذریعے سے پہنچتی ہے۔ وہ جدید ہیئت کی کہانی سنتا اور علومِ طبیعیات کے تجربے دیکھتا ہے۔ اس کے دل میں ولولہ اور دماغ میں تلاطم پیدا ہوتا ہے اور پرانی روایتوں کی بنیاد متزلزل ہوتی ہے۔ اس کا شوق اور بڑھتا ہے اور لکچر کا ایک ایک لفظ کانوں سے سنتا نہیں پیتا ہے۔ اس کی نظریں طبیعیات کے تجربے میں اس طرح گڑی ہوئی ہیں کہ گویا وہ اسے نظروں ہی نظروں میں کھا جائے گا۔ اس کا انہماک اسے ایک اور ہی عالم میں لے جاتا ہے، اس کے تمام جسم میں مسرت کی ایک لہر دوڑنے لگتی ہے، دل امنگوں سے چھلکنے لگتا ہے، آنکھوں میں ایک روشنی پیدا ہوتی ہے جو چاند تاروں میں نظر آتی ہے نہ سورج میں۔ وہ روحانی مسرت ہے۔ کولمبس کو امریکہ پا کر وہ خوشی نہ ہوئی ہوگی جو اس طالب علم کو یہ نئی دنیا پا کر ہوئی ہے۔ پہلے وہ طالب علم تھا اب عاشق ہے۔ پہلے وہ لیلیٰ تھا اب مجنوں ہے۔ یہی

عشق، یہی جنوں اسے وہاں تک لے جائے گا جسے منزلِ مقصود کہتے ہیں۔
وہ کالج سے چل کر گھر جاتا ہے، اس کے قدم پڑتے ہیں لیکن اسے کچھ معلوم نہیں کہ کہاں جا رہا ہے، بازار میں بھیڑ لگی ہوئی ہے، کھوے سے کھوا چلتا ہے، گھوڑے گاڑیاں، پالکیاں آ رہی جا رہی ہیں، شور و غل سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی، لیکن اس پر نہ دھکا پیل کا کچھ اثر ہے نہ لوگوں کے شور و غل کا۔ وہ نہ کچھ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں وہی سما چھا رہا ہے جو اس نے کالج میں دیکھا تھا، اس کے کانوں میں وہی آواز گونج رہی ہے جو اس نے کالج میں سنی تھی۔ وہ گھر پہنچتا ہے اور نہایت بے تابی اور شوق سے اپنے بزرگوں کے سامنے سائنس کے عجائبات اور تجربے بیان کرتا ہے اور باغ باغ ہوا جاتا ہے۔ اس کے ماں باپ اس کی انوکھی باتیں سُن سُن کر سہمے جاتے ہیں اور دل ہی دل میں کہتے ہیں خدا خیر کرے اس کے لچھن تو اچھے نہیں معلوم ہوتے۔ اسے اس کی بھی پروا نہیں کہ اس نے کیا کہا اور وہ کیا سمجھے۔ وہ اپنے حال میں مگن ہے وہ اس عالم میں نہیں، کہیں اور ہے۔ یہ تھی پہلی کرن آفتابِ علم کی جس نے بھولے طالب علم کے صاف دل کو منور کر دیا۔ یہ وہی نور ہے جو ہم تک پہنچا ہے اور پشت ہا پشت تک پہنچتا رہے گا۔

اب میں انھی چند سپوتوں کا مختصر سا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ ان کے نام ہی اس بات کے سمجھنے کے لیے کافی ہیں کہ دلّی کالج کیا چیز تھا اور اس نے کیا کام کیا۔ ماسٹر رام چندر، شمس العلما ڈاکٹر نذیر احمد، شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد، شمس العلما مولوی محمد ذکاء اللہ، شمس العلما ڈاکٹر ضیاء الدین یہ ایسے مشہور و معروف بزرگ ہیں کہ ان کے حالات بیان کرنا تحصیلِ حاصل ہے۔ اُردو داں ان کے حالات اور ان کے کارناموں سے بہت کچھ واقف

ہیں۔ ہماری زبان پر ان کے ایسے احسانات ہیں کہ ہم کبھی بھول نہیں سکتے۔
مولوی نذیر احمد، مولوی محمد حسین آزاد وہ لوگ ہیں جن کی تصانیف اردو زبان
میں بہت بڑا درجہ رکھتی ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ مولوی ذکا۔ اللہ نے
ریاضی کی تمام شاخوں پر ادنیٰ سے اعلیٰ درجے تک نیز تاریخ، جغرافیہ، اخلاق
طبیعیات وغیرہ پر بے شمار کتابیں لکھی ہیں جو بجائے خود ایک چھوٹا سا
کتب خانہ بن سکتی ہیں۔ مولوی ضیاء الدین بھی ایک بڑے عالم تھے اور
کالج میں عربی پروفیسر ہو گئے تھے۔ افسوس کہ ان کی یادگار سوائے رسوم
ہند کے پہلے حصے کے کوئی اور نہیں پائی جاتی۔ لیکن اس میں بھی استاد کا
کمال کہیں کہیں ضرور نظر آتا ہے۔ ماسٹر رام چندر ان سب میں ممیز اور
قابل شخص تھے۔ ریاضی اور سائنس کے بڑے استاد تھے اور ریاضی کے
فن میں بڑا نام پایا۔ افسوس لوگ انھیں بھولتے جاتے ہیں اس لیے
میں یہاں ان کا مختصر سا ذکر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں ایک بات عجیب
یہ ہے کہ ان سب حضرات نے نیز دیگر قدیم طلبا نے تعلیم کے بعد زندگی مدرسی
سے شروع کی۔ بہت سے آخر تک مدرس رہے اور بعض جو مدرسی سے
دوسرے مدارج پر پہنچے وہ اگرچہ مدرس تو نہ رہے مگر عمر بھر معلم رہے
اور اپنی تعلیم سے اہلِ وطن کو فائدہ پہنچایا کیے۔ یہ سب کالج کے سینیر اسکالر
تھے۔ لیاقت کا وظیفہ پاتے تھے۔ مضمون نویسی میں ان سب نے انعام اور
تمغے پائے اور پرنسپلوں کی رپورٹوں میں ان کی بڑی تعریف پائی جاتی ہے
اب میں ماسٹر رام چندر کا تھوڑا سا حال بیان کرتا ہوں۔

ماسٹر رام چندر ۱۸۲۱ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے ان کے باپ
سندر لال دہلی کے باشندے اور کایستھ تھے اور دہلی میں نائب تحصیل داری

اور تحصیل داری کی خدمتوں پر رہے۔ پانی پت اس وقت مستقر ضلع تھا۔

سندر لال دفعتاً بیمار ہوئے اور ۱۸۳۱ء میں انتقال کر گئے۔ ایک بیوہ اور چھ بیٹے چھوڑے، جن کا کوئی ذریعۂ معاش نہ تھا۔ رام چندر کی عمر اس وقت نو سال کی تھی۔ ماں نے پالا پوسا اور ابتدائی تعلیم دلائی۔ شروع میں انھوں نے مکتب میں تعلیم پائی پھر ۱۸۳۳ء میں انگلش اسکول میں داخل ہو گئے۔ اس وقت ہر طالب علم کو دو روپے مہینہ دیا جاتا تھا اور درجۂ اوّل و دوم کے تمام طالب علموں کو پانچ روپے ماہانہ وظیفہ ملا کرتا تھا۔ رام چندر بچپن ہی سے لکھنے پڑھنے کے شوقین تھے۔ اس مدرسے میں چھ سال رہے اور خوب دل لگا کر پڑھا۔

ابھی ان کی عمر گیارہ ہی برس کی ہوگی کہ رواج کے مطابق شادی ہو گئی۔ شادی ایک خوش حال کایستھ خاندان میں ہوئی تھی، لیکن لڑکی گونگی بہری تھی۔ شاید روپے کے لالچ میں (جیسا کہ ہمارے ہاں اکثر ہوتا ہے) یہ عقد کر دیا گیا۔

فکرِ معاش کی خاطر تعلیم چھوڑ کر محرری کی خدمت کر لی۔ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ دو تین سال نوکر رہے ۱۸۴۱ء میں جب دلّی کا مدرسہ کالج ہو گیا تو وہ پھر اس میں داخل ہو گئے۔ دو تین سال جو تعلیم چھٹ گئی تھی تو انھیں بہت زیادہ محنت کرنی پڑی۔ انھوں نے سینیر وظیفے کے مقابلے کی کوشش کی، یہ وظیفہ تیس روپے ماہانہ کا تھا۔ مقابلے کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔ ان کے بھائیوں کو بھی وظیفہ ملتا تھا۔ اس سے خاندان کی گزر ہوئی چلی جاتی تھی اور انھیں اس طرف سے قدرے بے فکری ہو گئی تھی۔

رام چندر تین سال تک ہر امتحان میں کامیاب ہوتے رہے۔

اٹھائیس فروری ۱۸۴۴ء میں کالج کے شعبۂ مشرقی میں پچاس روپے مشاہرے پر یورپین سائنس کے مدرس ہو گئے۔ اس زمانے میں ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی قائم ہوئی تھی انھوں نے اس کے لیے اُردو میں الجبرا اور علم مثلث Trigonometry پر کتابیں لکھیں۔ یہ کتابیں نصابِ تعلیم کے کام آئیں جن سے مشرقی شعبے کے طلبا کو بہت فائدہ پہنچا۔

اسی زمانے میں ماسٹر رام چندر نے ایک ماہانہ رسالہ فوائدالناظرین کے نام سے نکالا جو بعد میں مہینے میں دو بار نکلنے لگا۔ اس میں اکثر علمی بحثیں ہوتی تھیں۔ ان نئے خیالات کو پڑھ کر لوگ ان کو بد مذہب اور ملحد کہتے تھے۔

اس رسالے کے علاوہ انھوں نے ایک اور رسالہ محبِ ہند کے نام سے شائع کیا، لیکن اپنے شہر اور ملک والوں سے انھیں کچھ مدد نہ ملی۔ البتہ انگریز افسروں نے امداد کی مثلاً سر جان لارنس جو اس وقت دہلی میں مجسٹریٹ تھے۔ ڈاکٹر راس (سول سرجن) مسٹر گبن (جج دہلی) ان رسالوں کے متعدد نسخے خریدتے تھے جس سے طبع کا خرچ نکل آتا تھا۔ لیکن حالات کچھ ایسے بدل گئے کہ یہ رسالے بند کرنے پڑے اور پانچ سال چلانے کے بعد ۱۸۵۲ء میں ان دونوں کا خاتمہ ہو گیا۔

یہ بہت اچھے مدرس تھے اور اپنے شاگردوں پر بہت شفقت کرتے تھے اور بڑی محنت اور توجہ سے پڑھاتے تھے۔ انھوں نے محنت کر کے اس زمانے میں مشرقی زبانوں اور خاص کر عربی میں معقول استعداد پیدا کر لی تھی۔

ماسٹر رام چندر کو ریاضی سے خاص لگاؤ تھا اور انھوں نے اپنے مطالعے سے اس میں بہت کچھ ترقی کر لی تھی۔ شروع میں ریاضیات کی کتابوں کے

ترجمے کیے۔ اس سے ان کا ذوق اور بڑھ گیا۔ ان میں ایک ان کا جبر و مقابلہ ہے جو اس فن کی انگریزی کتابوں کی مدد سے تالیف کیا اور سوسائٹی نے طبع کرایا۔ اس کے علاوہ ایک رسالہ اصولِ علمِ مثلث بالجبر اور تراشِ ہائے مخروطی میں اور علمِ ہندسہ بالجبر میں لکھا۔ ۱۸۵۰ء میں جب کہ وہ مغربی سائنس کے مدرس تھے اور فوائد الناظرین نکالتے تھے انھوں نے اپنی کتاب کلیات وجزئیات (Maxima and minima) شائع کی۔

یہ کتاب کلکتہ میں چھپی۔ کلکتہ کے اخباروں اور رسالوں اور خاص کر کلکتہ ریویو نے اس پر مخالفانہ تنقید کی جس سے ماسٹر صاحب کو بہت مایوسی ہوئی۔ ۱۸۵۱ء کی تعطیلوں میں یہ کلکتہ گئے اور وہاں بعض دوستوں نے کلکتہ ریویو کی تنقید کا جواب لکھنے کا مشورہ دیا۔ انھوں نے جواب لکھا جو انگلش مین میں چھپا۔ کلکتہ میں دہلی کالج کے سابق پرنسپل ڈاکٹر سپرنگر نے انھیں آنریبل ڈی بیتھیون (D. Bethune) ممبر سوپریم کونسل و پریزیڈنٹ لا کونسل و کونسل آف ایجوکیشن سے ملایا۔ انھوں نے ماسٹر صاحب سے ان کی کتاب کا ایک نسخہ طلب کیا اور دو سو روپے پیش کیے۔

ماسٹر صاحب نے یہ کتاب اپنے خرچ سے چھپوائی تھی جس کے لیے انھیں بہت تردد اور فکر کرنا پڑا اور قرض لینا پڑا۔ مسٹر بیتھیون نے ان کی کتاب کے نسخے انگلستان میں متعدد اصحاب کے نام بھیجے جن میں سے ایک پروفیسر ڈی مارگن (A. De. Morgan) ایف۔ آر۔ ایس، ایف۔ سی۔ پی۔ ایس۔ آف ٹرنٹی کالج کیمبرج پروفیسر ریاضیات لنڈن یونیورسٹی تھے۔ پروفیسر مارگن نے اس کتاب کی بہت قدر کی اور کورٹ آف ڈایرکٹرز (ایسٹ انڈیا کمپنی) کی توجہ اس طرف مبذول کرائی اور (۲۴ جولائی ۱۸۵۶ء

کو) ان کے چیرمین کرنل سائیکس کو ایک خط اس بارے میں لکھا جو لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی شمالی کو بھیج دیا گیا۔ پروفیسر موصوف نے اس خط میں ماسٹر رام چندر کی اس ایجاد کی بہت تعریف کی تھی اور یہاں تک لکھا تھا کہ رام چندر کی کتاب کے انتخابات اس ملک (انگلستان) کی ابتدائی تعلیم کے نصاب میں شریک کیے جائیں۔ غرض ایک مدت کی باہمی مراسلت کے بعد کورٹ آف ڈایرکٹرز کے معزز ممبروں نے ایک خلعت پنج پارچہ اور دو ہزار رُپے نقد بہ طرز انعام ماسٹر رام چندر کے لیے منظور کیا۔ ۱۸۵۹ء میں مسٹر ولیم ڈی آرنلڈ ڈایرکٹر پبلک انسٹرکشن نے دہلی میں ایک بڑا جلسہ منعقد کیا اور وہاں کے تمام اُمرا و شرفا اور عہدے داروں کو اس شرکت کی دعوت دی۔ اس جلسے کا مقصد یہ تھا کہ "فضیلت پناہ" ماسٹر رام چندر کو ان کی علمی و تعلیمی خدماتِ حسنہ پر سرکار کی طرف سے خلعت عطا کیا جائے۔ چنانچہ یہ خلعت اور رقم اس جلسے میں ماسٹر صاحب کو عطا کی گئی۔ اس کے علاوہ ماسٹر صاحب نے ایک اور کتاب شائع کی جس میں تفرقی احصا (Differential Calculus) کا ایک نیا طریقہ بیان کیا۔ اس پر پروفیسر کلانڈ (اڈنبرا یونیورسٹی) اور پروفیسر اسین اینڈریوس) نے بہت اچھی رائے کا اظہار کیا۔ ان کتابوں کے شائع ہونے سے ماسٹر رام چندر کی شہرت بڑھ گئی اور ان کے ایجاد کردہ طریقے یورپ اور ہندستان کے کالجوں میں رائج ہو گئے۔

غدر کے زمانے میں جو مصیبت ان پر نازل ہوئی اس کا سرسری ذکر پہلے آچکا ہے۔ جنوری ۱۸۵۸ء میں وہ نیٹو ہیڈ ماسٹر ٹامسن سول انجنیرنگ کالج کے مقرر ہوئے۔ ستمبر ۱۸۸۵ء میں دہلی ڈسٹرکٹ اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہو گئے۔

لیکن اس کے کچھ عرصے کے بعد ان کی صحت میں فرق آگیا اور انھوں نے ۲۴ مئی ۱۸۶۲ء کو علمی پنشن کی درخواست کی۔ غرض ایک طویل مراسلت اور واقعات و قواعد کی چھان بین کے بعد ایک سو پچیس روپے ماہانہ کی پنشن منظور ہوئی۔ اس کے بعد وہ پٹیالہ میں ناظم تعلیمات ہو گئے۔ وہاں سے بھی اسی قدر پنشن ملی۔

عیسائی مذہب قبول کرنے کے بعد ان کا میلان مذہب کی طرف ہو گیا تھا۔ اس جھمیلے میں پڑ کر انھوں نے مذہبی بحث مباحثے کی کتابیں لکھنی شروع کر دی تھیں جو ان کے شایاں نہیں تھیں۔ وفات ۱۸۸۰ء میں ہوئی۔

میں نے ماسٹر رام چندر کا ذکر کسی قدر تفصیل سے اس لیے کیا ہے کہ انھوں نے شروع سے آخر تک دہلی کالج میں تعلیم پائی تھی اور اس کالج کے طلبا کے صحیح نمایندے تھے۔ وہ بہت سادہ مزاج تھے اور سادہ ہندستانی کپڑے پہنتے تھے اور لوگوں میں بہت ہر دل عزیز تھے۔

ان کے علاوہ اس کالج کے اور بھی بہت سے ایسے طالبِ علم ہیں جنھوں نے کالج میں اور کالج چھوڑنے کے بعد جہاں رہے امتیاز اور اعزاز حاصل کیا۔ چند صاحبوں کے نام اور مختصر حالات یہاں لکھے جاتے ہیں۔

مسٹر پتمبر بھی کالج کے قابل طلبا میں سے تھے۔ ماسٹر رام چندر کے ہم جماعت اور سینیر اسکالر شپ پاتے تھے۔ کالج سے ۱۸۴۵ء میں انجنیری کی تعلیم کے لیے بھیجے گئے۔ یہ پہلے دیسی سول انجنیر تھے جو دہلی میں مقرر ہوئے۔

موتی لال دہلوی (کشمیری پنڈت) کالج کے نہایت ممتاز طلبا میں

سے تھے۔ انگریزی کی اعلیٰ قابلیت رکھتے تھے۔ انگریزی مضمون نویسی میں گبنز اور سرٹی فکاف کے میڈل حاصل کیے (سنہ ۱۸۴۹ و ۱۸۵۰ء) کالج میں سینیر اسکالرشپ پاتے تھے۔ ان کے وظیفے کی توسیع کے لیے گورنمنٹ میں سفارش کی گئی تو منظوری دیتے وقت خصوصیت کے ساتھ ان کے متعلق یہ الفاظ لکھے گئے تھے کہ "وہ اس رعایت کا خاص طور پر مستحق ہے کیونکہ انگریزی زبان کی تحصیل میں اس نے نمایاں کامیابی حاصل کی ہے اور اپنی فرصت کا وقت ترجمہ کرنے اور اردو رسالوں کے اڈیٹ (مرتب) کرنے میں صرف کرتا ہے۔" ختم تعلیم پر ۱۸۵۰ء میں بورڈ آف ایڈمنسٹریشن لاہور کے فارسی مترجم ہوگئے تھے۔ کئی سال پنجاب گورنمنٹ کے میرمنشی رہے۔ حکامِ بالادست اور گورنمنٹ کی نظروں میں بہت اعتبار تھا۔ پھر اکسٹرا جوڈیشل اسسٹنٹ اور ڈسٹرکٹ جج ہو گئے تھے۔ اس آخری عہدے سے پنشن پائی اور گجرات (پنجاب) میں قیام پزیر ہو گئے۔ لاہور میں باسٹھ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اگرچہ یہ ایسے محکمے میں چلے گئے تھے جہاں تعلیم و تعلّم کا چرچا نہ تھا لیکن ان کا علمی شوق ہمیشہ قائم رہا۔ پلوٹارک کے تذکرہ سسرو کا ترجمہ اردو میں کیا جو ورنیکلر ٹرانس لیشن سوسائٹی کی طرف سے شائع ہوا۔ طالب علمی کے زمانے میں ایک تذکرۂ شعرا لکھا تھا۔ تعلیم نسواں اور صغر سنی کی شادی پر انگریزی میں دو رسالے لکھے۔ دو کتابیں مسمریزم کے موضوع پر انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیں۔ اردو فارسی میں بھی بڑی دست گاہ تھی، بسمل تخلص کرتے تھے۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن پر دہلی کالج کو فخر ہے۔

بھیروں پرشاد بھی بڑے قابل طالب علم تھے۔ کالج کی رپوٹوں میں جا بجا ان کی تعریف پائی جاتی ہے۔ ۱۸۶۶ء میں انھوں نے لالہ وزیر سنگھ

کا وظیفہ (مالیتی ایک سو بیس رُپے) مقابلے میں حاصل کیا۔ بی۔ اے کے امتحان میں پنجاب کے تمام طلبا میں اوّل رہے۔ آرنلڈ گولڈ میڈل حاصل کیا۔ کالج ہی میں اسسٹنٹ پروفیسر ہو گئے۔ اپنے وقت میں بہت مشہور تھے۔

پنڈت من پھول، ذات کے برہمن، دلّی کے رہنے والے، کالج کے قدیم طلبا میں سے تھے۔ غالباً مولوی ذکاءاللہ کے ہم جماعت اور ماسٹر رام چندر کے شاگرد تھے۔ کالج کی رپوٹوں میں ان کا ذکر تعریف کے ساتھ آیا ہے۔ پنجاب گورمنٹ کے میر منشی ہو گئے تھے۔ انھی کی سعی سے مولانا محمد حسین آزاد سررشتۂ تعلیم کے ڈایرکٹر کے دفتر میں اوّل اوّل پندرہ رُپے کے ملازم ہو گئے تھے۔

ماسٹر پیارے لال دہلی کے رہنے والے تھے۔ دہلی کالج میں تعلیم پائی اور ماسٹر رام چندر اور مولانا صہبائی کی شاگردی کا فخر حاصل کیا۔ بعد تکمیلِ تعلیم سررشتۂ تعلیم میں ملازمت کی۔ گڑگانوں اسکول کی ہیڈ ماسٹری کے بعد دہلی نارمل اسکول کی ہیڈ ماسٹری پر مامور ہو گئے۔ پھر ۱۸۶۴ء میں پنجاب گورمنٹ بک ڈپو کے کیوریٹر ہوئے۔ بک ڈپو ٹوٹا تو مدارس کے انسپکٹر کے عہدے پر مقرر ہوئے۔

دہلی سوسائٹی جو ایک علمی اور ادبی انجمن تھی ۱۸۶۵ء میں دہلی میں قائم ہوئی۔ یہ انجمن ماسٹر صاحب کی مساعی کی بہت کچھ ممنون ہے۔ جب تک لاہور تشریف نہیں لے گئے وہی اس کے سکرٹری رہے۔ اس انجمن میں لکچر ہوتے اور مضامین پڑھے جاتے تھے اور علوم و فنون اور معاشرت و قانون وغیرہ پر مباحث ہوتے تھے۔ جب آپ دہلی سے بک ڈپو کی نظامت پر جانے لگے تو سوسائٹی کی جانب سے آپ کی خدمت میں ایک

سپاس نامہ پیش کیا گیا جس پر دہلی کے سر بر آوردہ عمائد اور سوسائٹی کے ارکان کے دستخط تھے۔ مرزا غالبؔ نے اپنے دستخط کے ساتھ یہ عبارت رقم فرمائی :۔

"فقیر اسد اللہ خاں غالبؔ کہتا ہے کہ جو بابو پیارے لال کی مفارقت کا غم و اندوہ ہوا ہے وہ میرا جی جانتا ہے۔ بس اب میں نے جانا کہ میرا دلی میں کوئی نہیں ہے۔"

اُردو، فارسی، انگریزی کی اعلیٰ قابلیت رکھتے تھے، نہایت خلیق ملنسار معاملہ فہم اور سلیم الطبع شخص تھے، رواداری اور بے تعصبی ان کا شعار تھا۔

ایک بار کسی کمیٹی کی شرکت کے سلسلے میں ماسٹر صاحب کو دہلی سے لاہور جانے کا اتفاق ہوا۔ میجر فلر اس زمانے میں سررشتۂ تعلیم کے ڈائرکٹر تھے۔ ماسٹر صاحب میجر فلر سے ملنے گئے تو انھوں نے لفظ ایجاؔ کی تذکیر و تانیث کا سوال کیا۔ ماسٹر صاحب نے میجر صاحب سے کہا کہ آپ کے دفتر میں ایک ایسا شخص موجود ہے جو زبان کا پورا ماہر ہے اور ایسے مسائل پر رائے دینے کا اہل ہے۔ چنانچہ آزاد بلائے گئے اور ان سے وہی سوال کیا گیا۔ جواب سے میجر صاحب کا اطمینان ہو گیا اور مولانا آزاد کو بہت جلد ترقی مل گئی۔ خواجہ حالیؔ مرحوم بھی لاہور بک ڈپو میں ماسٹر صاحب ہی کی سعی اور توسط سے پہنچے۔ اس کے علاوہ مرزا اشرف بیگ خاں اشرفؔ، مولوی امو جان ولیؔ، منشی درگا پرشاد نادرؔ، مولوی سید احمد مؤلف فرہنگِ آصفیہ، مرزا ارشد گورگانی وغیرہ کو لاہور میں لانے کے ماسٹر صاحب ہی باعث ہوئے اور اس جماعت نے

اُردو کی خدمت بڑی سرگرمی اور تن دہی سے کی اور اسی وقت سے پنجاب میں اُردو کا چرچا اور ذوق پیدا ہوا۔

ماسٹر صاحب باوجود گوناگوں مصروفیتوں کے علمی اور ادبی خدمت بھی کرتے رہے۔ چنانچہ ذیل کی چند کتابیں ان کی تصنیف و تالیف سے ہیں:-

۱۔ قصصِ ہند حصّۂ اوّل
۲۔ قصصِ ہند حصّۂ سوم
۳۔ رسومِ ہند کا ابتدائی نصف حصّہ
۴۔ تاریخِ انگلستان (کلاں)
۵۔ دربارِ قیصری ۱۸۷۷ء تالیف مسٹر ویلر کا ترجمہ۔
۶۔ رسالۂ اتالیق کے اکثر مضامین

رسالۂ اتالیق پنجاب کے بھی اڈیٹر رہے ۱۹۱۴ء میں انتقال کیا۔[۱]

سری رام ایم۔ اے بھی کالج کے طالبِ علم تھے۔ پہلے سررشتۂ تعلیم میں ملازم ہوئے۔ اس کے بعد ریاست الور میں برسوں دیوان یا وزیرِ اعظم رہے۔ بہت منتظم اور نیک نام تھے۔

حکم چند دہلی کے رہنے والے بڑے ذہین اور قابل طالب علموں میں سے تھے۔ امتحانات میں ہمیشہ اعلیٰ درجے کی کامیابی حاصل کی۔ ایم۔ اے میں کلکتہ یونیورسٹی میں اوّل آئے۔ حیدر آباد (دکن) میں ملازم ہو گئے تھے اور اعلیٰ خدمات پر فائز ہوئے۔ قانون میں ان کی قابلیت مسلم تھی۔ ان کی تالیف Res judicata نے بہت شہرت حاصل کی۔

---

[۱] ماسٹر صاحب مرحوم کے اکثر حالات ہمیں حضرت کیفی دہلوی سے معلوم ہوئے۔

نند کشور بی۔ اے دلی کے رہنے والے تھے۔ پنجاب میں انسپکٹر مدارس کے عہدے سے پنشن لی کیفی صاحب (پنڈت برجموہن دتاتریا) فرماتے ہیں کہ مجھ سے ملاقات تھی۔ کئی سال ہوئے کہ انتقال ہو گیا۔

ماسٹر کدار ناتھ نے بھی دہلی کالج میں تعلیم پائی۔ گورنمنٹ ہائی اسکول میں سکنڈ ماسٹر ہو گئے۔ رائے صاحب کدار ناتھ سابق پنشن جج نے بھی اسی کالج میں تعلیم پائی۔ بڑے عہدے پر پہنچے۔ لیکن اس سے بڑھ کر ان کی سب سے بڑی اور قابلِ تعریف یادگار رام جس کالج ہے جو بڑی کام یابی سے چل رہا ہے۔ تعلیمی معاملات میں بڑی دل چسپی ہے۔ ہندو کالج ٹوٹنے ٹوٹتے انھی کی بدولت بچ گیا۔

پیرزادہ محمد حسین ایم۔ اے (سشن جج) اور خواجہ محمد شفیع ایم۔ اے وظیفہ یاب جج سمال کاز کورٹ، دونوں اسی کالج کے متعلم ہیں۔ دونوں نے نام پایا۔ پیرزادہ صاحب کا ترجمہ سفرنامہ ابنِ بطوطہ قابلِ قدر چیز ہے۔ اس پر جو جابجا انھوں نے نوٹ لکھے ہیں ان سے ان کی وسعتِ نظر اور علمی قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب نے بھی متعدد کتابیں لکھی ہیں۔

میر ناصر علی اڈیٹر صلائے عام بھی دلی کالج ہی کے طالب علم ہیں۔

مدن گوپال (ماسٹر پیارے لال کے چھوٹے بھائی) دہلی کالج ہی کے طالب علم تھے لیکن کالج ٹوٹنے کے بعد کلکتہ یونیورسٹی سے ایم۔ اے میں کام یاب ہوئے۔ الہ آباد کی سند وکالت (ہائی کورٹ) بھی حاصل کی۔ دہلی میں وکالت شروع کی۔ پھر ولایت سے بیرسٹر ہو کر آئے اور لاہور میں وکالت کرنے لگے۔ اپنے وقت میں پنجاب کے سر برآوردہ وکیل سمجھے جاتے تھے کئی قانونی کتابیں لکھیں Revenue Act اور Punjab Tenancy Act

وغیرہ۔ پروفیسر جیوانز کی منطق کا اُردو میں ترجمہ کیا۔ پنجاب یونیورسٹی کے قیام میں ڈاکٹر لایٹنر کے بڑے معین و معاون تھے۔

ماسٹر جانکی پرشاد ذات کے برہمن تھے، بعد میں عیسائی ہو گئے اور ان کے نام کے ساتھ ریورنڈ لکھا جاتا تھا۔ برسوں سینٹ سٹیفن ہائی اسکول دہلی میں ہیڈ ماسٹر رہے۔ لائق شخص تھے۔

پنڈت دھرم نراین (ابنِ پنڈت بشن نراین) کالج کے نہایت قابل اور ذہین طلبا میں سے تھے۔ پولیٹکل اکانومی (معاشیات) کا ترجمہ اُردو میں کیا۔ کچھ حصہ تاریخِ انگلستان کا بھی ترجمہ کیا۔ دونوں کتابیں اسی زمانے میں سوسائٹی نے چھاپ دی تھیں۔ رائے بہادر کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ اندور کے میر منشی رہے۔ سرسید احمد خاں کی سائنٹفک سوسائٹی کے لیے مل کی پولیٹکل اکانمی کا انتخاب "سیاستِ مدن" کے نام سے کیا اور سائنٹفک سوسائٹی نے چھاپ کر شائع کیا۔

شیو نراین بھی کالج کے بہت ہونہار اور قابل طالب علموں میں سے تھے۔ تذکرۂ دیماس تھینیز (پلوٹارک) کا ترجمہ اُردو میں کیا۔ ہندستان کا ایک جغرافیہ اُردو میں لکھا۔ ارفوٹ کے رسالۂ علمِ طبیعیات کا ترجمہ بشرکتِ سروپ نراین کیا۔

مولوی کریم الدین بھی کالج کے طالبِ علم تھے۔ پانی پت کے رہنے والے تھے پھر دلی ہی میں بس گئے اور ایک مطبع قائم کر لیا۔ ان کی متعدد تالیفات ہیں جن میں سے بعض اب بھی مشہور ہیں۔ بہت جفاکش اور قابل شخص تھے اور مدرسے کی تربیت اور تعلیم نے ان میں علمی ذوق اور تالیف کا شوق پیدا کر دیا تھا۔ ان کی بعض تالیفات یہ ہیں:۔

۱۔ تعلیم النسا۔ لڑکیوں کی تعلیم پر جس میں آٹھ باب ہیں۔

۲۔ گلستان ہند۔ (جس میں کئی باب ہیں قصے، نصائح، منتخب اشعار وغیرہ)
۳۔ "تذکرۂ شعرائے ہند" جس کا دوسرا نام "طبقات شعرائے ہند" ہے۔ یہ گارساں دتاسی سے ماخوذ ہے۔ اس کی تالیف میں ڈاکٹر سنین بھی شریک تھے۔ علاوہ ترجمے کے انھوں نے مختلف تذکروں سے بھی حالات جمع کر کے اضافہ کیے۔
۴۔ "گلدستۂ نازنیناں"۔ یہ شعرائے ہند کے کلام کا انتخاب ہے۔
۵۔ "تذکرۃ النسا"۔ اس میں نامور عورتوں کے تذکرے ہیں۔
۶۔ "ترجمۂ ابوالفدا"۔ اوّل و دوم چہارم و پنجم جلد کا ترجمہ اُردو میں ڈاکٹر سپرنگر کی فرمایش سے کیا۔
۷۔ "تاریخ شعرائے عرب" سوسائٹی کے لیے لکھی اور ۱۸۴۷ء میں طبع ہوئی۔
ان کے علاوہ اور بھی کئی رسالے ان کی تالیف سے ہیں۔
ان کے علاوہ پنڈت کاشی ناتھ، آتمارام، لچھمن داس وغیرہ کالج کے مشہور طلبا میں سے تھے جن کا ذکر کالج کی رپوٹوں میں آتا ہے۔

خاتمہ

یہ ہے مختصر رویداد مرحوم دہلی کالج کی۔ کالج نہیں رہا مگر اس کا کام زندہ ہے۔ اُردو زبان و ادب کے سنوارنے اور بنانے میں جو خدمت اس نے کی ہے وہ کبھی فراموش نہیں ہو سکتی۔ ہم اپنی زبان کو اس وقت جو ترقی یافتہ صورت میں دیکھتے ہیں اس پر بالواسطہ یا بلا واسطہ اس کا بہت کچھ اثر ہے۔ یہ پہلی درس گاہ تھی جہاں مغربی علوم کی تعلیم اُردو زبان کے ذریعے سے دی جاتی تھی۔ ایک صدی پہلے اس کا خیال آنا اور اس پر عمل کرنا غیر معمولی ہمّت کا کام تھا۔ اس وقت بھی یہی اعتراض کیا جاتا تھا جو اب کیا جاتا ہے کہ اُردو

زبان میں اتنی سکت نہیں کہ وہ مغربی علوم اور جدید سائنس کے بار کی تحمل ہو سکے۔ اُس وقت یہ اعتراض بہت کچھ بجا تھا مگر ان لوگوں نے ہمت نہیں ہاری، لکچروں کے ذریعے کتابیں ترجمے کر کر کے اپنا کام جاری رکھا اور جس اصول پر کام شروع کیا گیا تھا اسے صحیح ثابت کر کے دکھا دیا۔ وہ زبانیں جن کا آج دنیا میں طوطی بول رہا ہے اور جن کے خزانے علم و ادب سے معمور ہیں ان کی نسبت بھی چند صدی پہلے یہی کہا جاتا تھا جو آج ہماری زبانوں کے متعلق کہا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر زبان میں ہر قسم کے خیالات کے ادا کرنے کی قوت موجود ہے بشرطے کہ ادا کرنے کے لیے کوئی خیال بھی دل میں ہو اور بے لوث اور پُر جوش کام کرنے والے بھی ہوں۔ ہمارے ملک میں دلی کالج اس کی سب سے پہلی اور کامیاب نظیر ہے جس کے بعد کسی دلیل و حجت اور تجربے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اور یہی وہ پہلی درس گاہ تھی جہاں مغرب و مشرق کا سنگم قائم ہوا۔ ایک ہی چھت کے نیچے، ایک ہی جماعت میں مشرق و مغرب کا علم و ادب ساتھ ساتھ پڑھایا جاتا تھا۔ اس ملاپ نے خیالات کے بدلنے، معلومات کے اضافہ کرنے اور ذوق کی اصلاح میں جادو کا سا کام کیا اور ایک نئی تہذیب اور نئے دور کی بنیاد رکھی اور ایک نئی جماعت ایسی پیدا کی جس میں سے ایسے پختہ، روشن خیال اور بالغ نظر انسان اور مصنف نکلے جن کا احسان ہماری زبان اور ہماری سوسائٹی پر ہمیشہ رہے گا۔ اگر دلی کالج نہ ہوتا تو کیا ماسٹر رام چندر، مولانا آزاد، مولانا نذیر احمد، مولوی ذکاء اللہ، ماسٹر پیارے لال جیسے لوگ پیدا ہو سکتے تھے؟ یہ اگر دلی کالج میں نہ ہوتے تو کیا ہوتے؟ اس میں قیاس دوڑانے کی بہت کچھ گنجائش ہے۔ لیکن میں اس کا بار آپ پر ڈالنا نہیں چاہتا

اور خود انھی میں سے ایک بزرگ کا قول نقل کرتا ہوں۔ مولانا نذیر احمد ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "اگر میں دلی کالج میں داخل نہ ہوتا تو کیا ہوتا" وہ اپنے خاص انداز میں فرماتے ہیں کہ:۔

"معلومات کی وسعت، رائے کی آزادی، ٹالریشن (درگزر) گورنمنٹ کی سچی خیر خواہی، اجتہاد علیٰ بصیرۃ یہ چیزیں جو تعلیم کے عمدہ نتائج ہیں اور جو حقیقت میں شرطِ زندگی ہیں اُن کو میں نے کالج ہی میں سے سیکھا اور حاصل کیا اور اگر میں کالج میں نہ پڑھا ہوتا تو بتاؤں کیا ہوتا۔ مولوی ہوتا تنگ خیال، متعصب، اکھل کھرا، اپنے نفس کے احتساب سے فارغ، دوسروں کے عیوب کا متجسس، بر خود غلط ؎

ترکِ دنیا بمردم آموزند
خویشتن سیم و غلہ اندوزند

مسلمانوں کا نادان دوست، تقاضائے وقت کی طرف سے اندھا بہرا "صم بکم عمی فہم لا یرجعون" ما اصابنی من حسنۃ فی الدین او فی الدنیا فمن کالج"۔

یہ کالج اس جدید عہد میں ہماری تہذیب و علم کی ترقی کے سلسلے میں ایک ایسی کڑی ہے جو کبھی جدا نہیں ہو سکتی۔ گو ہم اپنی غفلت یا ناشکری سے اس کا نام بھلا دیں مگر اس کا کام نہیں بھلا سکتے۔ کیونکہ اتنی مدت کے بعد بھی ہم اسی رستے کی طرف عود کر رہے ہیں جس پر وہ گام زن تھا۔ وہی طریقے اختیار کر رہے ہیں جو اس نے کیے تھے اور انھی اصولوں پر کاربند ہو رہے ہیں جو اس نے قائم کیے تھے۔ گویا پوری ایک صدی کے بعد اس مرحوم نے جامعہ عثمانیہ کی صورت میں دوبارہ جنم لیا ہے اور اس بھولی ہوئی داستان کو پھر تازہ کر دیا ہے۔

اب یہ اربابِ جامعہ کا فرض ہو کہ اس قدیم سنّت کو زندہ رکھیں۔ اپنی زبان کی جڑیں مضبوط کریں، مغربی علوم کو اپنی زبان کے ذریعے سے پھیلائیں۔ جدید سے جدید علم کے پڑھانے اور تحقیقات کرنے کا سامان بہم پہنچائیں۔ مشرقی زبانوں کی تعلیم صحیح اصولوں پر دیں تاکہ بجائے اس کے کہ ہم اپنی زبانوں کی تحصیل کے لیے یورپ جائیں اہلِ یورپ ان کی تکمیل کی خاطر ہمارے پاس آئیں۔ نئی چیزوں اور نئے خیالات کے لیے ہمیشہ دروازہ کھلا رکھیں۔ ہمارے پرانے طریقۂ تعلیم میں جو عیوب تھے وہ خارج کریں، مگر اس کی خوبیوں کو رواج دیں تاکہ طلبا میں علم کا سچّا شوق اور تحقیق و تلاش کی لگن پیدا ہو۔ نہ اپنے اسلاف سے شرمندہ ہوں اور نہ جدید علمی ترقی سے درماندہ۔

مفید عام پریس لاہور میں باہتمام لالہ موتی رام منیجر چھپا اور سید صلاح الدین جمالی منیجر انجمن ترقی اردو (ہند) نے دہلی سے شائع کیا

ہماری زبان

انجمنِ ترقیٔ اُردو (ہند) کا پندرہ روزہ اخبار

ہر مہینے کی پہلی اور سولھویں تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔
چندہ سالانہ ایک رُپیہ فی پرچہ ایک آنہ

اُردو

انجمنِ ترقیٔ اُردو (ہند) کا سہ ماہی رسالہ

جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا ہے۔

اس میں ادب اور زبان کے ہر پہلو پر بحث کی جاتی ہے۔ تنقیدی اور محققانہ مضامین خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ اُردو میں جو کتابیں شائع ہوتی ہیں، اُن پر تبصرہ اس رسالے کی ایک خصوصیت ہے۔ اس کا حجم ڈیڑھ سو صفحے یا اس سے زیادہ ہوتا ہے قیمت سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ملاکر سات رُپے۔ سکۂ انگریزی (آٹھ رُپے سکۂ عثمانیہ) نمونے کی قیمت ایک رُپیہ بارہ آنے (دو رُپے سکۂ عثمانیہ)

رسالۂ سائنس

انجمنِ ترقیٔ اُردو (ہند) کا ماہانہ رسالہ

(ہر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد سے شائع ہوتا ہے)

اس کا مقصد یہ ہے کہ سائنس کے مسائل اور خیالات کو اُردو دانوں میں مقبول کیا جائے۔ دنیا میں سائنس کے متعلق جو جدید انکشافات وقتاً فوقتاً ہوتے ہیں، یا بحثیں یا ایجادیں ہو رہی ہیں ان کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے اور ان تمام مسائل کو حتی الامکان صاف اور سلیس زبان میں ادا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس سے اُردو زبان کی ترقی اور اہلِ وطن کے خیالات میں روشنی اور وسعت پیدا کرنا مقصود ہے۔ رسالے میں متعدد بلاک بھی شائع ہوتے ہیں۔ قیمت سالانہ صرف پانچ رُپے سکۂ انگریزی (چھ رُپے سکۂ عثمانیہ) خط و کتابت کا پتا: معتمدِ مجلسِ ادارت رسالۂ سائنس۔ جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔

انجمنِ ترقیٔ اُردو (ہند) دہلی

عام پسند سلسلہ

اُردو زبان کی اشاعت و ترقی کے لیے بہت دنوں سے یہ ضروری خیال کیا جا رہا تھا کہ سلیس عبارت میں مفید اور دل چسپ کتابیں مختصر حجم اور کم قیمت کی بڑی تعداد میں شائع کی جائیں۔ انجمنِ ترقیٔ اُردو (ہند) نے اسی ضرورت کے تحت عام پسند سلسلہ شروع کیا ہے اور اس سلسلے کی پہلی کتاب **ہماری قومی زبان** ہے، جو اُردو کے بڑے محسن اور انجمنِ ترقیٔ اُردو (ہند) کے صدر جناب ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو کی چند تقریروں اور تحریروں پر مشتمل ہے۔ امید ہے کہ یہ سلسلہ واقعی عام پسند ثابت ہوگا اور اُردو کی ایک بڑی ضرورت پوری ہو کر رہے گی۔ قیمت ۸؍

ہمارا رسم الخط

از جناب عبد القدوس ہاشمی صاحب

رسم الخط پر علمی بحث کی گئی ہے اور تحقیق و دلیل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ ہندستان کی مشترکہ تہذیب کے لیے اُردو رسم الخط مناسب ترین اور ضروری ہے۔ گیارہ پیسے کے ٹکٹ بھیج کر طلب کیجیے۔

مینیجر انجمنِ ترقیٔ اُردو (ہند) ۱ دریا گنج۔ دہلی